



گھر کے نزدیک والی مارکیٹ تک جانا پتا تھا۔ اور ان کے کرانے دار عظیم بھائی کی بیگم بڑھ کو خوش بملیت ان کی تکلیف کے پیش نظر انہیں افرادی کردیتی تھیں ”آپ کی بھی بتابدیجھے کیا لانا ہے۔ اپنے خریداری کے ساتھ آپ کی بھی کروں گی۔“

مگر وہ منع کر دیتیں بھلے چلنے پھرنے میں کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو، ہفتے میں ایک یا اس خریداری سے انہیں یہ احساس تو ہوتا تھا کہ وہ اب بھی گھر بارداری پیں۔

”آج بھی وہ عظیم بھائی اور ان یا کی نمر کے ساتھ ان کی پرانی فوکسی میں بیٹھ کے گئی تھیں وہ بھرے پرے کنپے والے تھے، ماشاء اللہ بھی چڑی خریداری

نصرت آراء المعروف نصرت آپا سبزی کی نوگری اٹھائے ڈھیلے قدموں کے ساتھ اپنے گھر کے پرانے سے زنگ آلو گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھیں ویسے وہ خاصی چاق و چویند خاتون تھیں مگر شدت کی سروی نے ان کے جوڑوں کی تکلیف کو بڑھا دیا تھا اور وہ ایسے موسم میں چلنے پھرنے میں خاصی دشواری محسوس کیا کرتی تھیں مگر کیا کیا جائے برسوں پرانی عادت کا، ہمیشہ سے گھر کی معمولی سے معمولی خریداری خود کرنے کی عادی تھیں اب اگرچہ گھر کے مکینوں کے ساتھ ساتھ ان کی ذمہ داریاں بھی رخصت ہو چکی تھیں اس کے باوجود ان کی اکسلی جان کے بھی کچھ تقاضے تو بہر حال تھے ہی جن کو پورا کرنے کے لیے انہیں ہفتہ میں ایک بار

مکمل ناول



سبحانے کی بات تو اسی بھی موجود ہیں، نصرت بھی سیانی ہے، سنبھال لی گی یہن کو۔“

انہوں نے اتنے یقین سے کہا کہ نصرت آرائے اس یقین کو پورا کرنے کے لیے کمر کسی مل کچھ یہ احساس تشكیر بھی تھا کہ ایمانے انہیں سوتیں مال کے شر سے محفوظ رکھا سوہہ ہر ممکن کوشش کرنے لگیں اب اکو سکون پہنچانے کی۔ دادی کا تجھیف وزار و جود بس پنگ پہ بیٹھے بیٹھے ہدایتیں دینے کے قابل تھا۔ نصرت نے ان ہدایتوں سے مقدور بھر فائدہ اٹھایا اور گھر کا بوجھ اپنے ٹاؤن کندھوں پہ اٹھایا۔ جیسے تیسے آٹھویں پاس کی اور گھر بیٹھے گئیں۔

رضوانہ پہ البتہ خوب سخت رکھی کہ وہ پڑھائی کے معاملے میں لاپرواٹھی۔ پھر بھی کھیچ تان کے اسے میڑک تک ہی پڑھا سکیں۔ کلثوم پڑھائی میں تیز تھی۔ ہر سال نمایاں تبریزوں سے پاس ہوتی۔ نصرت نے رضوانہ کو سلامی کڑھائی سکھانے والے ادارے میں ڈال دیا کہ کسی ہنر میں تو وہ طاقت ہو۔

یہ وہ دن تھے جب نصرت آرائے لیے خاندان اور خاندان سے باہر شتوں کی بھرمار تھی۔ شکل و صورت کی تینوں بہنیں اچھی تھیں اور نصرت کے سلیقے سکھڑائے کا تو یوں بھی شرو تھا کہ چھوٹی عمر میں گھریار سنبھال لے بیٹھی تھی۔ اب کے حالات بھی اب بہتر تھے اب تو ان کا ذاتی مکان بھی تھا۔ ایمانے اس کی شادی کا ارادہ کر لیا۔

دادی کو گزرے کئی سال ہو چکے تھے مگر ان کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے نصرت آرائے سیانی بچیوں کی طرح خود ہی بڑے والے ٹرنک میں اپنے جیز کے لیے کئی چھوٹی بڑی چیزیں تیار کر رکھی تھیں۔ ہاتھ سے کڑھے بڑھ کر زمکرانے کے روے، رمضانی کے غلاف، چند فیمتی ریشمی جوڑے وغیرہ۔ رضوانہ کی رڑھائی ختم ہونے کے بعد اس نے رفتہ رفتہ اسے گھر کا خرچا اٹھانے کی مجھہ میں سکت نہیں۔ ویسے بھی ت بڑی ہو رہی ہے، وہ کیا سوچے گی، رہی تھی کو رخصت ہو جاتیں تو ان کی جگہ وہ با آسانی سنبھال سکتی

جیز ہایا اور توکری میں سے ۱۱۔ نہ کاجرا جو بھی کا پھول نکال کر فرجع میں آئے تھے۔ جالی کا دروازہ کھول کر اندر جاتے ہوئے ان نہ لسکے فرز کئے۔ ایسے میں انہیں ایک اور خیال ہوا۔

۱۲۔ ہبہوں کی چھیوں میں ہو سکتا ہے رضوانہ نے بیٹھے بیٹھے ہدایتیں دینے کے قابل تھا۔ نصرت نے ان ہدایتوں سے مقدور بھر فائدہ اٹھایا اور گھر کا بوجھ اپنے ٹاؤن کندھوں پہ اٹھایا۔ جیسے تیسے آٹھویں پاس کی اور گھر بیٹھے گئیں۔

۱۳۔ ایک بار پھر خط پڑھنے کو بے جیں میں دیگر سامان والا تھیلا انہوں نے جوں کا توں ہے۔ ہبہ۔ چائے مگ میں ڈال کر اپنے کمرے کی طرف ملی۔

۱۴۔ ”آپا باجی کہہ رہی ہیں۔ آج وہ پر میں مولی کے لمبے بیٹھنے کے، آپ پچھنہ پکا میں، باجی بھیج دیں۔“

۱۵۔ اتنے میں گذو، رفتہ کا پیغام دے گیا تو وہ اور بلکی میں او گئیں کہ اب اپنی اکیلی جان کے لیے وہ پر کے ہمانے کے تردید سے بھی بے فکر ہو کے سکون سے خط تیں کی اور جواب لکھیں گے۔

* * *

امر ت آیاں تو سب ہی کے لیے آپا تھیں مگر وہ اپنے ان کے پیکن تک ٹھنڈی ہو گئی تو ضرور چند اور کام بھی سنوار آئی، ہو گیوہ ایسی، ہی تیز دست، پھر تسلی اور احساس کرنے والی تھی۔ ان کا اندازہ درست تھا۔ ناشتے کے چند برتن جو وہ منگل بازار جانے کی دو تھیں کے نام ہے۔

”یہ تین بچیاں ہی رہا لکھا کے بیاہدوں تو بڑی بات اور سری شادی کے تیار نہ ہوئے۔“ رضوانہ کی ریشمی کا خلطہ لٹک پیٹ کر رکھنے والیں تھے حالانکہ جانتا تھا۔ رکھنے والی سب دھماکہ تھیں کہ یہ سکر نے بیچے ہوں گے۔ ایک لے پیچکے رکھنے تھے، چولہا صاف کیا گیا تھا اور دو تین روز کا آنا بھی رہ رضوانہ بیٹھ کر گوہا اور دوسرا تھا۔ رفتہ کے پیچے کلثوم کر لے رفتہ گوندھ گئی تھی۔

سالوں میں کئے پختے خط ہی لکھے تھے، وہ ہر میںے ایسا۔ فون کر لیا کرتی تھی یا پھر عید پر اپنے اور میال کی جائی سے مشترکہ کارڈ اور چند گئے پختے خط بھی خاص موائی، آئے تھے۔ جالی کا دروازہ کھول کر اندر جاتے ہوئے ان کا بس نہ چل رہا تھا وہ نوں لفافے ابھی کھول ڈالیں ہے پہلا اتفاق تھا کہ دونوں بہنوں کے خط انہیں آئے۔

مشمول ہوئے تھے۔ ”آپا دودھ والا دودھ دے گیا تھا میں نے اپال دہ کر دھیسی آپنے چڑھار کھا ہے، ذرا دیکھ بھیجے گا۔“ اعظم بھائی کی بڑی لڑکی نے ہاتھ میں کپڑوں کاڑ بیہ اٹھائے گزرتے ہوئے اندر بھائیک کراطلاع دی۔ نصرت آپانے کلثوم کی شادی کے فوراً ”بعد مکان کا“ والا حصہ گرائے پہ اخبار ہوا تھا۔ تب سے اعظم بھائی اس کا گھر انہاں کا خیال رکھتا تھا۔ خود آپا بھی انہیں ہر ممکن سولت دیتی تھیں، ان کے پیچے بلازروک توک پیچے مختصر سے سخن میں کھلیتے اور سائکل چلا۔ رہتے۔ ان کے گھر ڈرائیور نہیں تھا۔ آپا کے کہنے پہ انیس سر دیوں میں اعظم بھائی کی بیکم بیٹھی پکڑے دھو۔ جھلک نظر آنے پہ تھم گئیں۔ بزری کی توکری اور تھیلا زنگ ٹلوڑنگ اڑا گیٹ چیں چیں کی زبردست آواز کے ساتھ دھکیل کے اندر داخل ہونے کو تھیں کہ گیٹ کے ساتھ لگے مختصر سے لیٹر بکس میں سے کچھ نہیں پہنچتے ہوئے ہوئے بے تالی سے انہوں نے لیٹر بکس میں ہاتھ ڈالا۔ تین لفافوں میں سے دو پہ ان کا نام لکھا تھا۔

”گذو، بچے! یہ تھیلا اور توکری تو ذرا اندر رکھتے جاؤ۔“ وہ واقعی منون ہو گئیں۔ جانتی تھیں کہ رفتہ اگر اعظم بھائی کے سب سے چھوٹے بیٹے کو انہوں نے آواز دے کر لایا جو گلی میں کرکٹ ہکیل رہتا تھا۔ ”اور یہ خط بھی اندر اپنے کی بڑے کو دے دو تمہارے اپا کے نام ہے۔“ تیسرالفافہ اسے تھاتے ہوئے وہ اپنے نام آئے جلدی میں یونہی چھوڑ گئی تھیں، انڈے والی ریشوں خطہ لٹک پیٹ کر رکھنے والیں تھے حالانکہ جانتا تھا۔ رکھنے والی سب دھماکہ تھیں کہ یہ سکر نے بیچے ہوں گے۔ ایک لے پیچکے رکھنے تھے، چولہا صاف کیا گیا تھا اور دو تین روز کا آنا بھی رہ رضوانہ بیٹھ کر گوہا اور دوسرا تھا۔ سر دی میں بڑا ہر سے ہو کر آنے کے بعد چائے کی طلب ہو رہی تھی، مگر کلثوم نے ان آٹھوں نے کیتلی میں پانی ڈال کر

ساتھ برسوں سے وہاں مہمیل تھا اور آج تک جل پھونٹے والی بے اعتباری ملازموں کے بجائے دنوں بھائی وہاں اپنا زاتی کاروار برابر کی شرکت داری میں چلا رہے تھے، اب تو طبی میں ہی زاتی مکان بھی تھا۔ لہذا خوب رو بھی تھا نصرت آئنے جس لاد اور پیار سے پورش کر کے کلثوم کے اندر ضد اور ہشت وھری کے جراشیم پروان چڑھائے تھے، ان کے پیش نظریہ رشتہ ہر لحاظ سے بہت اچھا تھا۔ یوں بھی کلثوم کو شادی کے بعد احمد علی کے ساتھ اب تو طبی جانا تھا، اس لیے جیزیکی بی جوڑی تیاری بھی کہا ضروری نہ تھا۔

اس نے لاکھ اچھاج کیا، ہاتھ پیر پئے مگر اس معاملے میں نصرت آرانے اس کی ایکینہ سنی اور اس کی شادی احمد علی سے کروی۔ وہ جانتی تھیں کہ ایم اے کرنا کلثوم کا جنون بن چکا ہے لیکن وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ ایسے رشتے روز رو نہیں ملتے۔ رضوانہ کے مشورے سے ہی انہوں نے کلثوم کی شادی کی تاریخ بکار کرتے ہی اور

بھی کم تھے مگر اسے ایم اے آبار میں داخلہ مل گیا تھا۔ کلثوم بھی وہاں رہائی کرنا چاہتی تھی، مگر نصرت اس کے اوسل میں رہنے کے حق میں نہیں تھیں۔ اتنی دور کے شریمیں اسے اکیلا بھیجنے کا ان میں ذرا حوصلہ نہیں تھا۔ لیکن کلثوم نے اسی بات کو دل سے لکھا اور احتجاجاً پڑھائی چھوڑ کے گھر بیٹھ گئی۔ یہ ڈیڑھ سال امرت آرا پر بست مشکل گزاری سے چھوٹی اور لاڈی بہن کو مناتے مناتے وہ ہارنے لگیں۔ نہ اس کی صد پوزی کر سکتی تھیں نہ اس کی ناراضی سہہ سکتی تھیں۔

ڈیڑھ دو سال تک ضد باندھے رکھنے کے بعد اچانک اس کے دل میں الگش لڑپر میں ماشرز کرنے کا سودا سماں اب وہ ڈاکٹر کے بجائے لیکچر بننا چاہتی تھی اور یوں اس نے بی ایس سی کے بجائے اے میں داخلہ لے لیا۔ نصرت آرا بست جمنجلہ تھیں کہ ایسے ہی فضول میں دو سال ضائع ہوئے۔

اب نصرت اپنی عمر کی تین دھائیاں ختم کر کے چوتھی پر گامرن تھیں۔ اگرچہ چوتھی پنیتیں سال ایسا زیادہ عمر بھی نہیں مکروہت سے پہلے ذمہ دار یوں کا بوجھ، ان تھک محنت اور پریشانیوں نے انہیں تیس سال کی عمر میں ہی جالیس کا طاہر کرنا شروع کر دیا۔ نظر کی عنیک تو لگ، ہی چکی بھی اور رہے بال تو وہ بھی نظر کی کنزوری کی وجہ سے پیش سال کی عمر میں ہی ڈالی کرنے شروع کر دیے تھے اور اب تو لگ آکر کتنا کتنا حصہ ایسے ہی چھوڑے رکھتیں۔ ایسے میں اگر ان کے بجائے بیس ایس سالہ کلثوم کے لیے رشتہ آنے شروع ہو گئے تو ایسی تعجب کی بات بھی نہیں تھی۔ اے نمایاں کامیابی سے پاس کرنے کے بعد کلثوم نے ابھی ابھی یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔

ایم اے کا ہلا سالی تھا اور وہ پوری تندی کے ساتھ پڑھائی میں مکن بھی جب اس کے لیے آئے ایک رشتے پر نصرت آرابی طرح محل گئیں۔ لہذا ہر قانونہ صرف وہ بلکہ اس کا بڑا بھائی بھی اپنی فیملی کے

دوسرے بیٹے کے لیے پھر دستِ سوال دراز کر بیٹھے۔ اب خاندان والوں کی طرف سے بھی دباو پڑنے لگیں۔ لیکن نصرت بھی سارہ مزاج اور قدرے احتقان کے چند مطلب پرست رشتے دار مکان اور وکان کے لامبے میں ان کے سرپہ پا تھے رکھنے کو آگے بڑھے مگر بہت کم عمری میں دنیا داری سکھ جانے والی نصرت آر ان کی نیت بجانب پیش کیں اور طریقے سجاوے سے معاملہ نہیں۔ اس کی بھی تو شادی کی عمر تھی۔ ایسوں پار کر رہی تھی۔ کام سارا بھی غیمت سے بجائے اس کے کہ ان سے لڑھکر کے اس سارے کو بھی گزوایا جائے یہ بہتر ہو گا کہ کوئی محفوظ حکمت عملی اپنائی جائے، نصرت آر انے وکان کرائے پہ اشہادی۔ اب اکا اسکو شریج ریا، اس رقم سے کچھ شیرزاد خرد لیے۔ خود رضوانہ کے ساتھ مل کر کھر کام بھی کلثوم کو نہ کہتیں کہ ایس کی پڑھائی کا حرج نہ ہو۔ ان کی نظر بھی کمزور ہو چکی ہی۔

مگر اسے کے لیے کافی تھا مگر نصرت آر جانتی تھیں کہ تین لڑکیوں والے گھر میں کیا کیا انتظامات ہونے چاہیں سو ہر ممکن طریقے سے بچت کی جاتی اور کفایت شعارات سے بچائی جانے والی رقم سے وہ زیور اور جیزی کا دوسرا سامان بنانا کے رکھنے لگیں۔

ابا کی وفات کے تین ساڑھے تین برس بعد ہی انہوں نے رضوانہ کی شادی سرگودھا کے ایک زمین دار گھر میں کردی۔

اس رشتے کا قصہ بھی عجیب تھا۔ تیا کے قرابت دار لوگ تھے یعنی ایک، ہی ذات برادری تھی۔ اب اکی زندگی آتیں اور بس کے آنے سے پہلے ہی اشآپ پر جا گھری میں، ہی ان کے ہاں سے نصرت آر کے لیے پیام آیا اور وہ جانتی تھیں کہ اب اس بارے میں سنجیدگی سے سوچ زیانے سے بھی خوفزدہ۔ شام کو خود رشتے میں جا کر بس باضابطہ ہاں ہونے کی دیر تھی۔ ان کے بعد نصرت اکیدمی چھوڑ کے آتیں اور واپس بھی لا تیں۔ اس کا نے خود، ہی تیا کے ذریعے انکار کیا۔ بھیجا۔ وہ جانتی تھیں کہ ان کی شادی کے بعد المزد اور بہن اسی رضوانہ کی رہنگا۔ اسی زلٹ میں چند نہیں اسکے لئے سمجھایا کہ وہ اگلے سال پھر چھوٹی بہن اور کھر کی ذمہ داری شنا نہیں اٹھایا۔

(انہوں نے خاندان میں ہی کیں اسیں اور رشتہ نظر کر دیا) نصرت آر انے بست سمجھایا کہ وہ اگلے سال پھر لیکن شاید یہ کھر انہ اور خود نصرت کے اٹھوار ان لوگوں کو امتحان دے سکتی ہے یا میں ایس سی کر لے۔ مگر وہ ایک رزیوا رہی بھائی رہیں اس لیے تین سال بعد وہ اسے نے اور ضدیہ اڑ گئی۔ اس کی ایک دوست کے نہیں سے

زیوی کا مشور پروگرام

کھان خروائی

نیا ایڈیشن

سن جیو کپور

خوبصورت تصاویر کے ساتھ

حسین و خوبصورت گیٹ اپ

قیمت صرف = 250/- روپے

ملنے کا پتا:

مکتبہ عمر انڈا جسٹ

37 اذوبازار، کراچی

کی منزل پر کمرے بنوئے شروع کردیئے یہ وہ رقم تھی جو وہ سالوں سے پائی پائی جمع کر کے کلشوم کے جینیز کے فرنیچر، گراں اور مسینیز کے لیے الگ گروہی تھیں اللہ کے فضل سے ایسا رشتہ مل گیا تو انہوں نے اس رقم کو مکان کے اوپر والے پورشن کی تعمیر میں لگایا۔ اور کلشوم کی شادی کے فوراً بعد اس پورشن کو کرائے پا اخباریا۔

اعظم بھائی شریف النفس درمیانے درجے کے سرکاری افسر تھے۔ دیانتداری سے فرانس ادا کرتے ہوئے سفید پوشی سے کنبہ پال رہے تھے جن میں ان کی خوش مژاج شریک ہبات شکلیہ کے علاوہ پانچ بچے تھے۔ سب سے بڑی بیٹی رفتہ تھی۔ پھر دو بیٹے، ایک بیٹی اور سب سے چھوٹا گذو جو اس وقت گود میں تھا۔ اب تو ماشاء اللہ نو دس پرس کا ہوا تھا۔ رفتہ تی۔ اے کے بعد گھر بیٹھی تھی، اس سے چھوٹے دنوں اب بالترتیب الیسی اور میسرک کے اشوڈ میں تھے اور ان پر سے چھوٹی دوسری بہن ربیعہ آشھویں کلاس میں تھی، اسے دیکھ کر اکثر نفرت آراؤ کلشوم کا لڑکپنی یاد آجاتا۔

* * *

غم غرم چائے کام سائیڈ نیبل پر رکھ کے نفرت آرائے کمبل ٹانگوں تک پھیلایا اور بیڈ پر شم دراز ہو کے عینک درست کرتے ہوئے خط پڑھنے لگیں، پلا خط رضوانہ کا تھا اس کی مخصوص بے ذہب اور خلدی جلدی لکھی گئی تحریر سے سجا۔ وہ خط کے اوراق نکن کر مسکرا دیں۔ پوزے نو صفحے تھے۔

پماری آیا!
السلام و علیکم!

امید سے آپ خیرت سے ہوں گی۔ یہاں بھی اس کریکٹ خرپت ہی لے زمینہ دعاویں سے خیرپت ہی لے زمینہ داروں پر ہوئی ہے۔ بس تیا! پچھے نہ پوچھیں ہے زمینہ داروں جا کر داروں کی بیوی بن کے ان چھوٹے اسیلا ماشاء اللہ سے کانج میں آگئی ہے اس کی نکری ذرا کم پسندانہ قصبوں میں زندگی کزارنا اور وہ بھی بھرے لہوئی تو اب زیمیں کی فکر لگ کریں۔ اس کے سرال میں۔ کس قدر مشکل ہے۔

میسرک کا امتحان دینا ہے۔ اسیلا تو پھر خاصی ہو۔ پس اس سال بقید آپ کے ساتھ کوں گی

جی جلایا ہوا تھا۔ آپ کو تو پتہ ہے کہ ان کے گھرانے میں برادری میں رشتہ کرنے کو ترجیح دی جاتی ہے خصوصاً "بیٹیاں تو اپنوں کو ہی دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے مجھے اپنی ایسا لیے پورے خاندان میں راحیل کے علاوہ اور کوئی مناسب لذت کا نظر نہیں آتا۔ کب سے دل میں یہی خیال لیے بیٹھی ہوں اس لیے اپنی جنہانی کے انتقال کے بعد میں نے راحیل کو خاص توجہ سے پالا ہے۔ اور اب جب وہ ڈاکٹر بن گیا ہے تو میری چاروں نندوں نے اس پر حق جتنا شروع کر دیا ہے۔ تب کماں تھیں یہ چار کی چار پھوپھیاں جب بن ماں کا بچہ راتوں کو سکتار تھا اور میں اپنے نئے نئے بچے چھوڑ کے اسے بدلانے جاتی تھی۔

اس روز بھی بڑھ چڑھ کے لاڈ جتارہی تھیں جیسے اس کے اکیلے رہنے کی فکر سے ان کی بیندیں حرام ہو رہی ہوں۔ بس میں نے بھی فوراً "کہہ دیا کہ اپنی چاچی کے ہوتے ہوئے وہ کیوں کسی پریشانی کا شکار ہونے لگا۔ میں نے سارا انتظام کر رکھا ہے۔ آپ سے کہہ کر اس کے ٹھہر نے کاسارا بندوبست کر دیا ہے۔ اسے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس آرام سے اپنا کام کرے۔ میں نے ٹھیک کہانا تیا؟

اب ڈاکٹری کرنا آسان کام تو نہیں اور نئی نئی نوکری میں تو محنت بھی زیادہ کرنی پڑتی ہے وہ بے چارہ کرائے کا گھر لے تو لیتا پھر ملازم بھی رکھنے پڑتے۔ خرچا ہی بڑھتا۔ ہاں خرچا تو آپ کا بھی بڑھے گا اور یقیناً "کام بھی۔ آپ کو اکیلے رہنے کی عادت ہو چکی ہے ایسے میں ایک اور جان کی ذمہ داری مکپاری تیا! میری خاطر پچھے عرصہ یہ برواشت کر لیں۔ ابھی تو میری ایسا لکھنی سولہ برس کی ہے اور تین سالوں تک اسے بیاہدوں کی پھر راحیل کو الگ گھر لینا ہی پڑے گا تب تک آپ میری خاطر تیا! تین سال گزرتے چھلا کیا دیر لگے گی۔

رہا کام کا ج اور خرچے کا سوال تو خیر خرچے کی آپ کو پورا کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں ہر ہاں آپ کو کچھ رقم پچکے سے بھجوایا کروں گی، آپ کی کوپتہ نہ لکھنے دیجئے گا۔ بس یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ آپ کھلے دل سے

اپنے کی وجہ سے ایک بار پھریہ ارادہ ترک کرنا رہا۔ ۱۷۰۱ء نیپوت کے ساتھ میسرک پاس کر لے تو پھر ۱۷۰۲ء آپ دعا کیجئے گا تیا!

۱۷۰۳ء چھوٹیاں بھی بہن کی طرح پڑھائی میں تیز نسب میں بیٹھ کے صاف کہتی ہوں کہ میری اپنی خالہ پر گئی ہیں، بھی اپنی کلشوم پر ورنہ ان عیال میں بھلا کمان ایسا ذوق ہے پڑھائی لازم تر نہیں کیا تھا۔ ۱۷۰۴ء لاکیاں تو خیر میل تک نہیں کیا تھیں۔ میری ایسا امامت جو کافی تک کئی ہے۔ لیکن گیافائدہ تیا جب بیٹا ۱۷۰۵ء زیم کے رنگ ڈھنگ دیکھ کے مجھے ذرا ۱۷۰۶ء میں دخیر اللہ سبب کرے گا۔ دعا تو بست کرتیں۔ ۱۷۰۷ء چھوٹیاں کی طرح فرشت ڈوڑن نہ سی، بس پاس ایسا لگی۔ اے بھی کسی طرح کر لیا تو شکر ادا تباہ کر دیں؟

بیٹیاں کہتی بھی لا تلق فائق کیوں نہ ہوں، آپ ان کامیابی پر خوش ضرور ہو سکتے ہیں، فخر شیں رہ سکتے ہیں تو بیٹے ہوتے ہیں جو فخر سے سراو نچا کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ آج تک ہمارے جیشہ صاحب کا ہوا ہے۔ ان کار ایں خیر سے ڈاکٹری پاس کر گیا ہے۔ آپ نے تو ایسا ہوا ہے۔ وہیں لاہور میں ہائل میں رہتا تھا میں اپ کی طرف رہنے آئی تھی تو مجھ سے ملنے گھر بھی آیا تھا۔ اب تو ان کی ہاؤس جا بھی ختم ہو گئی ہے اور ساتھ ہی نوکری بھی مل گئی ہے۔ بس یہی بات رہنے کے لیے آپ کو خط لکھا ہے۔ دراصل آپ نے پہلے مشورہ لئے بغیر میں نے تھے بات اسے جیشہ ماذب سے کر لے گھر سے غائب نہ ہو جائے پختہ پتھر لے کر نہ چڑھ جائے یا بیٹھ تھام کے گلی میں نہ اکل جائے۔

ایک تو یہاں کام احوال۔ توبہ۔ بیش صاحب سے کہ سے کہہ رہی ہوں کہ سرگودھا نہیں چھوڑنا نہ سی کم از کم یہ محلہ تو چھوڑیں۔ ایک سے ایک اجڑا اور جال رہتا ہے یہاں۔ لیکن وہ ان مردوں میں سے ہیں؛ زیوی کے معقول مشوروں پر بھی عمل کرنا مردا ہی کی توہین جانتے ہیں وہ بھی کیا کریں، ان کی تربیت، ہی ایسے لہرپر کی دعاویں سے خیرپت ہی لے زمینہ داروں پر ہوئی ہے۔ بس تیا! پچھے نہ پوچھیں ہے زمینہ داروں جا کر داروں کی بیوی بن کے ان چھوٹے اسیلا ماشاء اللہ سے کانج میں آگئی ہے اس کی نکری ذرا کم پسندانہ قصبوں میں زندگی کزارنا اور وہ بھی بھرے لہوئی تو اب زیمیں کی فکر لگ کریں۔ اس کے سرال میں۔ کس قدر مشکل ہے۔

بس اتنا دھیان رکھنا پڑتا تھا کہ میں غیر ضروری میں سے باہر نہ رہوں مگر اس پر کسی کام کا بتوہن ہے اور اس کی بڑھائی کا حرج نہ ہو۔ اور پھر آپ کوئی کہ ہمارے گھر میں ماشاء اللہ سے لوگوں کا کتنا ہے۔ ۱۷۰۵ء عقیقہ، کسی کی منتنی، کسی کا چلمی یہ لمبی چوری ہے۔ بھی بھی بھی رحمت کے بجائے زحمت لکھنے لاتا۔ ۱۷۰۶ء بندہ تعلقات بھائے یا بچوں پر توجہ دے؟ اور اما باندھے پڑھ لیتا ہے ورنہ میری ڈانٹ پیٹ کو؟ ۱۷۰۷ء خاطر میں نہیں لاتا۔ وادی اور پھوپھیوں کے برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ بھی اکتوبر ہے تو کیا، میں بآپ، ہو کر احساس نہیں ظاہر ہے میری بھی آنکھ کا۔ اور بآپ کے دل کی شہنشک ہے لیکن کیا لاد کر کرنا، تباہ کر دیں؟

میں نے بشیر صاحب سے کہہ دیا کہ بس بست ۱۷۰۸ء امال کا حرام اپنی جگہ مگر اولاد کے حوالے سے ان پر۔ بھی فرانس ہیں، ماں کے لحاظ میں بیٹے کوے لگام میں کریں۔ سو آج کل خاصی سختی جاری ہے زیم کہہ تو گھر سے لکنا محال ہے کہ کمیں زیم ڈیور کے آئے سے پہلے گھر سے غائب نہ ہو جائے پختہ پتھر لے کر نہ چڑھ جائے یا بیٹھ تھام کے گلی میں نہ اکل جائے۔

ایک تو یہاں کام احوال۔ توبہ۔ بیش صاحب سے کہ سے کہہ رہی ہوں کہ سرگودھا نہیں چھوڑنا نہ سی کم از کم یہ محلہ تو چھوڑیں۔ ایک سے ایک اجڑا اور جال رہتا ہے یہاں۔ لیکن وہ ان مردوں میں سے ہیں؛ زیوی کے معقول مشوروں پر بھی عمل کرنا مردا ہی کی توہین جانتے ہیں وہ بھی کیا کریں، ان کی تربیت، ہی ایسے لہرپر کی دعاویں سے خیرپت ہی لے زمینہ داروں پر ہوئی ہے زمینہ داروں جا کر داروں کی بیوی بن کے ان چھوٹے اسیلا ماشاء اللہ سے کانج میں آگئی ہے اس کی نکری ذرا کم پسندانہ قصبوں میں زندگی کزارنا اور وہ بھی بھرے لہوئی تو اب زیمیں کی فکر لگ کریں۔ اس کے سرال میں۔ کس قدر مشکل ہے۔

میسرک کا امتحان دینا ہے۔ اسیلا تو پھر خاصی ہو۔ پس اس سال بقید آپ کے ساتھ کوں گی

راحیل کی سہمنداری کر رہی ہیں۔ سرال میں میرے میکے کارب پٹا چاہیے۔ ایک کل دتی ملازمہ بھی رکھ تجھے گا۔ پندرہ سو یارو: ہزار تک میں آسانی سے مل جائے گی، راحیل کے کمرے کی صفائی اور کپڑوں کی دھلانی وغیرہ کر لے گی۔ فسلہ بھاہ والہ کا ہے۔ آپ کے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں بنے گا۔ آپ نے بھی مل کر اندازہ تو لگایا ہوا گا۔ اب اسے کسی اور نظر سے دیکھنے کا یعنی آپ اینلا کے ہونے والے شوہر کی حیثیت سے اور ویسا ہی برتاو بھی رکھے گا جیسا کہ دامادوں کے ساتھ رکھتے ہیں۔ آخر اینلا آپ کی بھی بیٹی ہے۔

او سنائے، کلشوم کی کوئی خیر خبر ہے؟ مجھے تو وہ بھول کر بھی بھی خط یا فون میں نہیں یاد کرتی۔ آپ کو تو پھر بھی بھی فون کر لیتی ہے اور کہنا بھی چاہتے ہیں۔ آپ نے اس سے تکہہ انشاء اللہ لا ہور آجائے گا۔

اور سنائے، کلشوم کی کوئی خیر خبر ہے؟ مجھے تو وہ بھول کر بھی بھی خط یا فون میں نہیں یاد کرتی۔ آپ کو تو پھر بھی بھی فون کر لیتی ہے اور کہنا بھی چاہتے ہیں۔ آپ نے اس سے تکہہ انشاء اللہ لا ہور آجائے گا۔

آج اپنے گھر عیش کر رہی ہے۔ مزے سے ہر جھنپھٹ سب نے اسے میرا خراہ اور پیسے کی بربادی کما، دو گز میاں گزی نہیں کہ اب امال جی تک کے کمرے میں اسے کی لٹک گیا ہے۔ دل سے بھلے معرف ہوں گے مگر زبان سے ہمیشہ اختلاف کرتے ہیں سارے کے سارے۔ اصل میں اندر سے احساسِ مکتری کے مارے ہوئے ہیں۔ خود اپنے چک سے نکل کر زیادہ سے زیادہ سرگودھا جھنگ وغیرہ تک ہو آتے ہیں، بولا ہورن اُنہیں تو بول کھلا گئے۔

راحیل کو کہیں ان جیسا نہ سمجھئے گا وہ جھوٹ آٹھ سال ہمارے کے کانچ رہا ہے۔ ذرا کمرے کو تھیک ٹھاک مالت میں کروائیجے گا۔ اور کھانے وغیرہ پر تھی اہتمام رکھیے گا۔ بستر بھی نئے نکلوایے گا۔ آپ بھلا اس عمر میں تی دی کہاں دیکھتی ہوں گی وہ بھی اسی کے کمرے میں رکھوادیجئے گا۔ یہ نہ ہو کہ بوریت کا بہانہ بنا کر وہ جلد ہی کہیں اور چل دے۔ سمجھا کریں، زمانہ نازک ہے، ادھر ادھر کرائے کے مکانوں میں بے روک ٹوک ازداونہ رہنے سے کوئی اور نظر میں نہ آجائے۔ اکیلے لڑکے کا کیا بھروسہ اور آج کل تو لوگ بھی تاک لگائے ہیٹھے ہوتے ہیں لڑکا گھیرنے کو۔ دوسری بات یہ کہ میں ازا پنے سرال والوں کو رعب میں رکھنا چاہتی ہوں، فصوصاً "جیٹھ صاحب" کو زیر پار کر کے تاکہ وہ خود اینلا کے لیے بات کریں۔

راحیل کے ہاتھ عمده کرنی باستی چاولوں کی ایک

او سنائے، آپ کے جوڑوں کا درد کیسا ہے؟ علاج پا قاعدگی سے کرواتی رہیے۔ اب اس عمر میں کوئی نہ کوئی روگ تو لگا، ہی رہتا ہے۔ مجھے دیکھئے عمر میں آپ سے ماچ چھ سال چھوٹی ہوں مگر ملڈ پریشانے زندگی کا ہر مذاقہ کر کے رکھ دیا ہے۔ پرہیزوں نے جان عذاب میں ڈال رکھی ہے۔ نمکن تم کھانا ہے، تملی ہوئی چیز رکھے گا۔ نہ ساس نہ نند نہ دیور انی نہ جھٹھانی، الگ گھر میں میری اینلا کاراج ہو گا۔ اس کی طرح سارا سارا دن ڈولی نہ پھیلنی پڑے گی نہ ہی بارات بھر لوگوں کے لیے آنکونڈ ہنڑے گا۔

اور کیا کہوں دل تو میرا بنا بست کرتا ہے آپ سے ملنے کو مگر کھداری کے یہ مستقل عذاب جان چھوڑیں تو نکل پاؤں۔ سوچا تھا نچے بڑے ہو جائیں گے تو ہفتہ ہفتہ بھر رہنے جایا کروں گی تیا کے پاس۔ بچوں کا اتنا مسئلہ نہیں، جتنا بڑا مسئلہ بچوں کے ابا اور خود ان کی اماں ہیں۔ اماں کے پاس تو مجھے میکے جانے سے روکنے کے ایک سے ایک مضبوط بھانے ہیں جو سترہ سالوں سے کم ہی نہیں ہو پارے۔ کبھی اتنا جلوانا ہے، کبھی کسی نہ کسی ایکھی ترین پچھی بھی دن تکے اٹھاہو گھٹھے چوٹی لئے کے آکے اس نہیں کی زیکری متوقع ہوئی ہے اس کے لیے پیخیری بناتا کر کر رہے ہیں یہ بھی تھا، میں کافر مان رہے کہ آنکھ ایکھی ترین پچھی بھی دن تکے اٹھاہو گھٹھے چوٹی لئے کے آکے اس نہیں کی زیکری میں رکھوانا ہے تو بھی دیکھی عورت کے ہاتھ سے گندھے تو بکرت رہتی ہے اس کے لیے مائی بھی اتنے بڑے سائز کی پیٹل کی پرکاش کا فرمان رہے کہ آنکھ اس کی عورت کے ہاتھ سے گندھے تو بکرت رہتی ہے اس کے لیے مائی بھی اس کی زیکری میں رکھوانا ہے۔ زمینداری کیا رکھی سر آٹھ خود گوندھتی ہوں۔ رچائے کا تو پوچھو ہی رچاک ہوں، نگران ہوں اس سین زدہ کمروں والی

بوری بھجواری ہوں۔ ہر سال اناج آنپہ سوچتی ہوں بھجھنے کے بارے میں پھر خیال آتا ہے آپ اکیلی جان چاولوں کی مرن بوری کا آخر کیا کریں گی۔ چلواب مجھ دیتی ہوں۔ راحیل بھی شوق سے گھاتا ہے۔ کافی عرصہ نکل جائے گا۔ اپنے کنستر بیباں اور میوے والا گر بھی بھجواروں گی۔ اپنے خیال رکھیے گا۔ اور راحیل کا بھی۔ اس ہفتے تکہہ انشاء اللہ لا ہور آجائے گا۔

اور سنائے، کلشوم کی کوئی خیر خبر ہے؟ مجھے تو وہ بھول کر بھی بھی خط یا فون میں نہیں یاد کرتی۔ آپ کو تو پھر بھی بھی فون کر لیتی ہے اور کہنا بھی چاہتے ہیں۔ آپ نے اسے تکہہ انشاء اللہ لا ہور آجائے گا۔

آج اپنے گھر عیش کر رہی ہے۔ مزے سے ہر جھنپھٹ سے آزاد بہر پیشی ریالوں اور درہموں میں گھیل رہی ہے۔ اللہ سے دعا ہے، ہمیشہ خوش رہے، اس سے بھی زیادہ خوشحالی ہو گی۔

مگر اس سے بات ہو تو اتنا ضرور کہیے گا کہ دولت آنے پر کوئی اس طرح اپنوں کو نہیں بھلا دیتا۔ آٹھ سال ہونے کو آئے، تم نے مڑکے وطن کی جانب نہیں دیکھا جیسے ماں باپ کے ساتھ ساتھ بہنوں یہ بھی فاتح پڑھ کے گئی ہو۔ چلو تمہارے میاں کا تو یہاں کوئی پیچھے نہ رہا، ایک ہی بھائی وہ بھی ساتھ ہے، مگر تمہاری تو دو بہنیں ہیں کبھی دولت کانے کے چکر سے نکل کر ذرا ہمیں بھی مل جائے، ہم تو اس کے بچوں کو دیکھنے کو ترس گئے۔

دیے بچج بتابیے گا۔ آپ کو بھی فون دوں کرتی ہے یا آپ ایسے ہی بھرم رکھنے کو کہہ دیتی ہیں کہ عید شعبہ برات پر آپ کو فون کر لیتی ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو بچ بڑی بے مرمت نکلی یہ کلشوم۔ ایسی بہن کے تو پیر دھودھو کے پینے چاہیں، اب مجھے دیکھ لیں، اگرچہ جلد پاڑی میں آپ نے بغیر سوچے سمجھے میری زندگی کا فیصلہ کر ڈالا صرف اور صرف اپنا بوجہ لہکارنے کی خاطر پھر بھی میں نے ہزار ملاں کے باوجود دل میں آپ کے لیے بعض نہیں رکھا اور اب بھی آپ کی عنزت کرتی ہوں۔

راحیل کے ہاتھ عمده کرنی باستی چاولوں کی ایک

خط کچھ زیاد ہی لمبا ہو گیا۔

اچھا ب اجازت دیجئے
خط کی اپنی رضوانہ بیشتر۔

خط تہ کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے نصرت آرا نے گھری سانس لی۔ ان کا دل عجیب سے احساسات میں گھرا ہوا تھا۔ خط میں اگرچہ ایسی کوئی خاص مل آزاری والی بات بھی نہ تھی، وہی سب تھا جو اثر رضوانہ کے خطوں میں اور اس کی پاتوں میں ہوا کرتا تھا، وہی اپنی زندگی سے بے اطمینان اور ناشکری کا اظہار ان سب کا الزام بالواسطہ اور بلا واسطہ طور پر آپ کو دینا اور کثوم کے بارے میں رشک و حسد کا اظہار وغیرہ۔

ہمیشہ اپنے سرالی ماحول اور بندشوں سے نالال رہتی تھی۔ اسے اپنے شری ہونے اور میڑک پاس ہونے کا براز عم تھا۔ اور اپنی بچیوں کی زیانت و قابلیت پر غور بھی۔ اگرچہ خوشحالی کی اس کے سرال میں کی نہ تھی۔ سب ہی نہیں جائیداد والے تھے مگر سارہ طرز زندگی والے روایتی دہناتی زیانت رکھنے والے اتنے ہمیشی اور اس کی زندگی کو ٹھہراتی تھی، مگر ہماری کامیابی کے بعد بھی رضوانہ ان سے سمجھوتا کرنے میں جنہوں نے اپنے لیے آیا۔ اپنی جان چھڑانے کے کام اتنا مشکل بھی نہیں تھا۔ کون سا وہ بہت ماڈران یا کانج یونیورسٹی کی رہی ہوئی لڑکی تھی۔

اس کو اس پہ بھی شکر ادا کرنا چاہیے تھا کہ کہاں شادی سے پہلے تماکن کے ساتھ مل کے لوگوں کے کپڑے پوچھتی تو سی۔ بن کے سرال کا معاملہ ہے۔

حیثیت سے بڑھ کے سہیان واری کرنا ہوگی۔

وہ ایسی ابھیں کہ وقت طور پر کلثوم کا خط پڑھنا ہی ملازماں پہ حکم چلاتی۔ اتنے بڑے خاندان کی عملاء میں سرراہ سے سیروں سونا ہے، بچوں کے نام جائیداد ہے، بھول گئیں۔ مل ہی مل میں خرچے اور اخراجات کا مسوہ ہر دن اٹھڑا اٹھڑا اور امرانچ دا کرنسی مکڑ روپے پیچے گئیں۔ کہیں تمازخنچے کے لئے تھیں۔ ان کا مکمل گزارا کرائے کی کل رقم یعنی پانچ ہزار میں ہوتا تھا کی نہیں ہونے والی فطرت۔ بھی شریف سے رکھنے پڑنے زمانوں کی نعمتوں کی طرح تکتا چیزیں اجوان کے اخراجات کے لحاظ سے کافی زیادہ تھیں۔ اعتماد اور حاکیت پسند ضرور ہے مگر اسے خانہ وار عورت اور بھائی تھواہ دار آدمی تھے اس لیے کرائے کی رقم دینے رکھنے کا انتہا بھی مشکل محسوس ہوتا ہے اگر

اکلوتی ہو (بڑی والی کو گزرے تو سالوں ہوئے) ہونے کے تمام تراختیارات بھی سونپ رکھے ہیں۔ یہ باشیں جب بھی نصرت آرا کو موقع ملادہ رضوانہ کو ضرور سمجھاتیں مگر وہ اکتا ہے۔ بھرے انداز میں انہیں نوکری تھی۔

”بس صحیح تما! جس پہ گزرتی ہے اسے ہی پڑھتا ہو تو اور آپ یہ سب نہیں کہیں کی تو اوز کون کہے گا۔ ظاہر ہے آپ نے یہ رشتہ کرایا ہے آپ تو ضرور اسی کی تعریف میں نہیں آسمان کے فلاں بے ملا ہیں اگر نگر کیا فائدہ ان سب باتوں کا۔ میں بچی تو نہیں۔ جو بہل جاؤں گی۔ اور آپ کو فکر کس بات کی؟ تھا تو رہی ہوں کوئی سب چھوڑ جھاڑ آپ کے درپہ تو نہیں آبی ہمیشہ دھوپ مغرب سے ذرا پہلے تک سارے برآمدے کو روشن رکھا کرتی۔ نصرت آرا اب باقاعدہ طور پر سلامی نہیں کھاتی تھیں، البتہ اگر آس پر ہوس کی کوئی بچی شوق کے مارے آجائی تو وہ انکار نہ کر سکتی مگر معافہ بھی نہ دہ شوگر کی مرضیہ ہیں جو بیکن اور باجرے کا ملا جلا خاص آٹا استعمال کرتی تھیں۔ کوئی آٹا تو اس کے لیے خاص طور پر گندم کا آٹا منگوایا جاتا۔ سارا احباب کتاب لگا کر وہ اب اس توں میں رکھے بڑے ہنک سے نئی بیٹھ شیٹ نکلنے جا رہی تھیں کہ بیٹھ پہ رکھے دوسرے لفافے پر نظر ہی۔ وہ ماتھے پہ ہاتھ ماری کے رہ گئیں۔ کلثوم کا خط کھولنے تھا وہ یکسر بھول ہی گئی تھیں۔ اس تو جانے کا خیال موخر کرتے ہوئے وہ خط پڑھنے پھر سے بیٹھ گئیں۔

پاری تما!
السلام علیکم!

آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ عرصہ ہوا آپ نے کوئی خط نہیں لکھا، نگر مند ہوئی تھی۔ ٹھیک ہے کہ میں بھی خط میںوں بعد لکھ پاتی ہوں مگر ہر میںے آپ کا خط پڑھنے کی عادت سی ہو گئی تھی۔ شاید آپ نے ناراضی میں خط نہ لکھا ہو کہ آپ کے پچھلے تین چار خطوں کا میں جواب نہیں دے سکی۔

کیا کرتی تما، مصروفیت، ہی اس قدر ہے، خط لکھنے کا وقت نہیں ملتا البتہ آپ کے خطوں کا انتظار لگا رہتا ہے۔ آپ تو فارغ ہی ہوتی ہیں، فرصت، ہی فرصت، چاہیں تو ہر سفته خط لکھ بھیجیں مگر آپ نے بھی گزشتہ تین ماہ سے ہمیں لکھا، شاید آپ کو اس کے معمولات اتمات راجیل سے وابستہ کئے ہوئے ہے اگر داری نہ ہانا بھی مشکل محسوس ہوتا ہے خیر آپ کی

میں بھی دیر سورنہ ہوئی تھی۔ میں کے آغاز میں، ہی جب اسیں تھواہ ملتی وہ تماکن کو کرایہ ادا کر دیتے۔ مل دغیرہ ادا کرنے کی ذمہ داری بھی ان کی تھی۔ تھانی کا شکار نصرت آرا کے دن کا ایک بڑا حصہ برآمدے میں بھی چارپائی پیٹھ کے تیج پڑھتے، محلے کی کیانہ کی بیچی کو سلامی سکھاتے، بیڑی بنتے یا سویٹر بینے گزرتا جہاں بیوب لائٹ یا بلب کی مصنوعی روشنی کی قطبی ضرورت نہ تھی۔ چمکی دھوپ مغرب سے ذرا پہلے تک سارے برآمدے کو روشن رکھا کرتی۔ نصرت آرا اب باقاعدہ طور پر سلامی نہیں کھاتی تھیں، البتہ اگر آس پر ہوس کی کوئی بچی شوق کے مارے آجائی تو وہ انکار نہ کر سکتی مگر معافہ بھی نہ دیتی۔

بلوں کی اوایلیکی اور میں بھر کا سودا اسلف خرید لانے کے بعد بھی ان کے پاس پہنچ رکم بچ جاتی تھی۔ اب اسی دفات کے بعد جب نصرت آرائے معاشر بوجھ اپنے شانوں پہ اٹھایا، تب سے ہی انہیں رقم جوڑنے اور کمیٹیاں ڈالنے کی عادت پڑھنی تھی، اب اس کی ضرورت تو نہ تھی مگر عادت سے مجبور ہو ایک ہزار اور پانچ سو والی دو کمیٹیاں ڈالے ہوئے تھیں۔ جن میں سے پانچ سو والی دو بار نکل چکی تھی، دونوں بارہہ میں ہزار روپیہ انسوں نے بینک میں رکھاویا۔ وقاً ”فوقاً“ وہ اس میں سے ہزار ڈالہ نکال لیا کرتی۔

برسول سے رضوانہ اور اس کے بچوں کے لیے عید کے بوڑے بھجواناں کا معمول تھا۔ کوئی ابوظہبی سے آتا ہے جاتا تو اس کے ہاتھ کلثوم اور اس کے بچوں کے لیے بھی قفس سوغاتیں بھجوائی رہتیں۔

بہت سی باتیں ہمیں جن کو سوچ سوچ کر انہیں بیب گھبراہست سی ہو رہی تھی۔ ایک تو یہ کہ عرصہ ہوا، اہ تھا رہنے کی عادی تھیں، اب ایک اخوان بچے کے ساتھ برسول رہنا انہیں پریشان کر رہا تھا کہ کہیں اس کی اہ سے ان کے یا ان کی وجہ سے اس کے معمولات بن خلل نہ پیدا ہو۔ یہ خدا شہ بھی تھا کہ رضوانہ جو اتمات راجیل سے وابستہ کئے ہوئے ہے اگر

میرا فرض تھا کہ میں آپ کوں کا احساس دلاؤں سو کسی نہ کسی طرح وقت لکھاں آئے خط لکھ رہی ہوں۔ سارا گھر سوہا ہے، خود میں بھی ان بھر کی تھی ہاری، صحیح منہ اندھیرے کی جاگیں بولی ۳۵س وقت غیند سے بند ہوتی آنکھوں اور جوڑ جوڑ کھٹے تھے پیروں کے ساتھ آپ کو خط لکھ رہی ہوں کہ دن کو تو میرے اپنے لیے منٹ بھر کا وقت لمنا دشوار ہوتا ہے، خط کیسے لکھتی۔

آپ کو اتنا کہا ہے کہ فون، الگولین، سمولت ہو جائے گی، آپ بے شک مت کر کر لپیں (اگر خرچہ بڑھنے کا ذرہ ہے) میں، ہی کر لپا کر دل گی بن آپسہ بھی غیند کر دیں، ہر مینے دوڑھائی سوروں تک خرچنے پر آپ تیار نہیں۔ پتہ نہیں پیسے پا کرنا نے کیا کرتا ہے خود پر بھی خرچ کرتی ہیں یا نہیں؟ پہنچلی بار رضوانہ آتا کو فون کیا تو پتہ چلا کہ وہ پچھہ دل پر آپ سے مل کے آئی ہیں، یہ پہنچلی عید کی بات ہے موران سے پتہ چلا کہ آپ بے حد کمزور ہو گئی ہیں، شور برہہ گئی ہے، بلڈ پریشر کم رہتا ہے اور ان سردوں میں ایک نیاروگ بھی لگالیا ہے، جوڑوں کی تکلیف کا ارے آبا! کوئی علاج دغیو بھی کرتی ہیں یا نہیں؟ کسی قابل داکڑ کو دکھایے گا، حکیموں وغیرہ کے چکر میں مت پھنسنے گا، پس بچانے کی خاطر۔

رضوانہ آتا کہہ رہی تھیں کہ وہ آپ کو کسی نامی گرامی حکیم کا پتہ دے آئی ہیں۔ میں ان کے منہ پر تو پتہ کہہ سکی، بھردوں کے چھتے میں ہاتھ دوالنے والی بات بھی گمراہی وقت سوچ لیا تھا کہ آتا کو خط لکھوں گی تو صاف منع کر دوں گی، حکیموں کے پاس لیو جانے کی قطعی ضرورت نہیں، دس روگ اور لگادیں۔ ہر کسی بس اتفاق کہ اس کے بعد خط لکھنے کا موقع ہی نہ ملا۔

ہیں جنہیں آپ نے اٹھا کے سات سمندر پار دئے مارا۔ تاکہ خیر خبر پوچھنے تک کی زحمت سے بھی نجات ملے۔ یکار ہوں، مر رہی ہوں، دکھی ہوں، کیسی بھی حالت میں ہوں، کسی کو خبر نہیں ملتی۔ وکھے سکھ بانداز درکنار حال پوچھنے والا بھی کوئی میر نہیں۔ پر دیس نہیں تھے پیدا کے، اگلی نے ہی سنبھالے، ہاسٹل سے آیا، دن کا پتھر ساتھ لاتی تھی اور ایک گھنثہ بھی آرام کرنا نصیب تھیں ہوتا تھا۔ کون تھا جو گھر تھا، تم لیشو، آرام کرنا۔ کچھ سالوں سے ہوٹل کا کام بہت جا رہا ہے، آئندی بھی تکلیف میں ہو، گھر اور بچے کو میں دیکھ لیتی ہوں۔ سرماں نہ میکھا۔ بھی بھی تو مجھے لگتا ہے کہ شاری کے بعد میں قید بامشقت کاٹ رہی ہوں، جس کی مدست سنجانے کتنی باتی ہے۔

آپ نے بھی نہ دیکھانہ بھالا، نہ پوچھنہ پچھہ "بس سر سے ایک بوجھ کی طرح اتر پھینکا۔ دوبار میرے خواب ٹوٹے۔ پہلے داکڑ نہ بن سکی صرف آپ کی مدد کی وجہ سے، ہزاروں لڑکیاں ہاشلوں میں رہتی ہیں مگر آپ کی وہی بلکہ شکی طبیعت اب اگر میں بن مال بابا کی تھی، بھالی نہ تھا تو کیا یہ میرا قصور تھا کہ مجھے اما، تعلیم کا حق نہ ملتا، داکڑ نہ سی، ماسڑز کی ڈگری، ہی اے ہے۔ زیادہ تر چھڑے چھانٹے ہیں، یعنی، ہوٹلوں پر گزارا کرنے والے۔ ایسے میں پاکستانی کھانے والا ہوٹ تو ہے گا، اس اریا میں دوستیں اور ایسے ہوٹل ہیں جو ستے بھی ہیں اور اس کے باوجود کسی کا کام کم نہیں اتا۔ سب سے زیادہ رش صبح ہوتا ہے ناشتے پر مجھے نج صبح اٹھ کر چھوٹے پکاڑتے ہیں، ایک کڑا، ہی میں ملہ، بھوتی ہوں، پائے کا دیکھ تو ساری رات چولے پہ اتا ہے کئی کلومیڈیہ پوریوں کے لیے گوندھتی ہوں جو ہلید بھالی جان تلتے ہیں۔ علی کے ذمے حساب کتاب اور ہوٹل کی میہنث ہے، وہ ان کاموں سے بچ رہتے رہیں تو آتا آپ مجھے ایک سال اور آزادی کا دے کرہے اور سنایے رضوانہ آتا کا رہیں کے بغیر کوئی اوز چکر لگا، بعد میں کئیں تھیں بھی بیاہ دیتیں، چاہے یہیں مکر زندگی اور لاہور کا بہل اتر بھی ان کے مڑے ہیں، لاہور کے مشکل تونہ ہوتی ہے۔ علی کو تو بس وہ

ہمسائے میں رہتی ہیں، جب جب جی چاہا لہا آپنی را خندھاںی کر لے، غرض ہے وہ میں پڑھا کریا کوئی اور ملازمت کر لادیتی، ہمارا تعلق بھی جاتا جیسے اب بھر رہا ہے تکار چوبید رانی جی، بن کے ٹھاٹھ کرنے چل، پر پیڑیں، ایک تریک تریک رانی رانی کے ساتھ کے لیے میں کس طرح خود کو گلاسڑا رہیں،

اس کا تصور بھی آپ نہیں کر سکتیں۔

یہاں ابوظہبی میں نہ چنگی عورتوں کے لیے بڑا بڑا دنار اور منافع بخش روزگار سمجھا جاتا ہے۔ کاش میرے ڈگری ہوتی تو صرف چند گھنٹے میں اس سے دگنا کمیتی جتنا اب دن رات کی مشقت کے بعد کمپاتی اول۔ علی تو پھر غیمت ہیں، ان کے بڑے بھائی جاوید تو نما بخوبی ہیں، نوکروں کی خواہ بچانے کی خاطر معمولی سے معمولی کام بھی چاہتے ہیں کہ ہم ہی کر لیں۔ پچھلے سالوں سے ہوٹل کا کام بہت جا رہا ہے، آئندی بھی بھی ہے اس کے بھائی اپنے باندھ کے ڈولی اور ایک لمحاظ سے اچھا ہے کہ مجھے اپنے باندھ کے ڈولی اور چچے ہلاتے مرد زہر للتے ہیں۔ اپنے شوہر کو ڈگری کے پکوڑے تلتے یا والد کو ترکا لگاتے دیکھ کر میں ہر روز صدمے سے فوت ہو اکرتی۔

ایک لمحاظ سے برا یہ ہے کہ ان کے حصے کا کام بھی مجھے کرنا پڑتا ہے۔ رات کی خاص ڈش سندھی بربانی جسے دم میں دیتی ہوں۔ البتہ گوشت میں دی ہی اور مسالے بھالی جان مکس کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ چلی کباب ہیں جن کے لیے ایک افغانی رکھا ہوا ہے وہ بس رات کو دو گھنٹے کے لیے آتا ہے اور حیم کے جس طبیعت کی خالی کے باوجود بھائی، ہی پکایا کرتی ہیں۔ میں نے ایک اڑھ بار پکائی مگر کئی ہون ڈی رہی۔

مجھے تو در ہے تاکہ کسی دن میں بھی لی بی کاشکارانہ ہو جاؤں۔ گدھوں بختی مشقت کرنا پڑتی ہے اور گھر کے کاموں اور بچوں کی ذمہ داری الگ جو شخص اپنے بھلے چلتے کاروبار کے لیے دو ملازم اضافی رکھنے کا رواہار نہ ہو، اس سے یہ امید کیا رکھنی کہ وہ گھر کے کاموں میں مدد کے لیے نوکر رکھ کر دے گا۔ آپ مجھے دیکھیں تو پچانہ نہ پائیں، اسی لیے پچھلے دو سال سے صرف بچوں کی تصویریں بسچتی رہی ہوں۔ اپنی شکل، ہی اس قابل نہیں رہی کہ فتوٹ ٹھنچوں اون۔ پیاز، لسن کاٹ کاٹ کر ہاتھ بھدے ہو چکے ہیں۔ دھواں کھا کر رنگ دھو میں جیسا میلا ہو گیا ہے۔ غیند کی کمی سے آنکھوں کے نچے حلقے رڑ گئے ہیں اور پریشانیوں اور بے سکون نے ساری چلبی ٹھلڈاری ہے۔

ناشترے سے ساڑھے دس تک فارغ ہوتی ہوں تو دھونے کے لیے ملازم چھوکرے کے ساتھ خود اپناتا ہے۔ وہ اکیلا دس بارہ سال کا بچہ اور ڈھیر سے ہم سائے میں رہتی ہیں، جب جب جی چاہا لہا آپنی را خندھاںی کر لے، غرض ہے وہ میں پڑھا کریا کوئی اور ملازمت کر لادیتی، ہمارا تعلق بھی جاتا جیسے اب بھر رہا ہے تکار چوبید رانی جی، بن کے ٹھاٹھ کرنے چل، پر پیڑیں، ایک تریک تریک رانی رانی کے ساتھ کے

تیلے والا کھستہ یا چپل بھجوادیں۔ دونوں کا سائز تباہ رہی ہوں۔ عید وغیرہ پر بچوں کا مل کرتا ہے اپنے کپڑے پہننے کو مگر یہاں پاکستانی روایتی لباس ملدا رکھنیں بہت مہنگی ہیں۔ میرے لیے اچھی سی دوسری شالیں۔ رنگ ایسے ہوں جو بھی کپڑوں کے ساتھ نہیں جائیں۔

اور یہاں آیا! بچاس ہزار کا ڈرافت بیچ رہی ہوں۔ پلاٹ کی الگی اٹھتی کئی قطعیں بھر دیں۔ پتہ نہیں کہ وہ دن آئے گا جب یہاں میرا اپنا گھر ہو گا۔ علی بھی بھال سے چھپ چھپا کے پس انداز کر رہے ہیں، اپنا الگ نام شروع کرنے کے لیے مگر میں نے اپنی بچت اور منصوبے کی ہوا بھی انہیں نہیں لکھنے دی۔ جیسے ہی ”اپنا الگ کام کرنے کا راہ کریں“ کے میں انہیں پاکستانی حلنے کا مشورہ دوں گی اور سربراہی کے طور پر یہ بنا بنا یا کہ بھی دکھاویں گی۔ میرا خیال ہے ان پچپن ہزار کے ابو کوئی اور قسط نہیں رہتی پلاٹ کی۔ رجسٹری میرے نام ہو جائے تو آپ تعمیر کا کام شروع کروادیں۔ میں ۱ یہاں پکے پکے کچھ سونا جمع کیا ہوا ہے۔ پیچ کر بھجوادیں گی۔ دو چار لاکھ پاکستانی روپے کا تو ہو گا۔ اس سے کام شروع ہو تو اگلے دو سالوں تک اتنا ہی اور بچا کے بینے دوں گی۔

رمیا اور موآب کو سلام کر رہے ہیں۔ اپنا خیال رکھئے گا۔ علاج باقاعدگی سے کروائیں اور خط کا جواب ضرور لکھئے گا۔ یہ دھیان رہے کہ خط میں پلاٹ اور رہ کا کوئی ذکر نہ ہو۔ علی کو عادت ہے میرے خطوط پر ہتھ کی۔

آپ کی بن
کلشوم علی



”جی آپ آپ نے بکوایا گوئی کام تھا،“
گذو کے ہاتھ پیغام بھجواتے ہی رفتت نیچے آئیں
رات سے نصرت آرا کامی پی خاصاً لو تھا۔ سر بھاری
آنکھیں متورم ہو رہی تھیں۔ رفتت ان کے نزدیک

وہ دن دور نہیں جب میں بھی اُلیٰ کی بیماری لے کر بستر پر ڈی ہوں گی اور جاوید بھائی جان کی طرح علی بھی دوسری شادی کے منصوبے بنارہے ہوں گے۔ جی ہاں، آج کل ہمارے جیٹھے پر دوسری شادی کا بہوت سوار ہے۔ پہلی سے اولاد تو ہے نہیں، سونے یہ سماں کہ پچھلے پچھھے عرصے سے ویسے ہی عضو معطل ہو گرہ گئی ہیں۔ اب یہ چاہتے ہیں کہ ایک اور کار آمد رکن کا اضافہ ہو۔ کھر میں بھی اور ان کے ہوٹل نمائہ ہابے یا ڈھانے نہیں ہوٹل کے پکن میں بھی۔ یہاں جو اکاؤنٹاکستانی نیمیز رہتی ہیں، وہ خاصی امیر کیریں، باقی چھڑے چھانت مزدور ناٹپ ہیں۔

ان کا ارادہ ہے کوئی غریب افغانی یا بنگالی لڑکی مل جائے تو اچھا ہے جو کام کاج والی ہو۔ پاکستانی گھرانے والے تو چھان بین بہت کرتے ہیں۔ بھا بھی تو ان کے خاندان کی تھیں، خود ان کا باب پریڈھی پر لٹو پیٹھی بیچا کرتا تھا اور لوگ تو سن کر، ہی بذک جائیں گے کہ ان کا خاندانی پیشہ ہی نسلوں سے نان پکوڑے اور حیم ریڈھیوں پر رکھ کے بیچنے کا ہے اور کون ہے جو لڑکی چوڑیے پر صدقے واری کرنے کی تیار ہو۔

ایک ہماری آپاسیدھی ملی تھیں انہیں، جنہیں یہ تک تفییش کرانے کی توثیق نہ ہوئی کہ لڑکے اور اس کے بھائی کا کاروبار کیا ہے۔ چلو ہوٹل کی حد تک تو ٹھیک ہے مگر یہ تو ظلم ہے کہ جندوں کی بیاہی بیوی کو بھی بے شخواہ کی باور چین بنا کر گھر اکڑا۔ بس قسمت کی پیات ہے ورنہ رضوانہ آپا کا رشتہ کرانے والی بھی تو آپ تھیں۔ کیا اوپنجا زمین دار گھرانہ ڈھونڈا۔ عیش کر رہی ہیں جا کیرداری بن کے دس تو ملازمائیں ہوں گی، ہیں تھے پانی نہ پینا پڑتا ہو گا۔ مجھے بھی گھر کا سکھ مل جاتا تو تعلیم اور ہوری رہ جانے کا وکھ بھول جاتی۔

علی کے ماموں زاد بھائی کا سالا اٹلے ماہ ابو ظہبی (زیر زمینے آئنے والا ہے) اس کو آپ کا پتہ دیا تھا۔ پیچیں یا چھپیں تاریخ تک آپ کی طرف آئے گا۔ ریما کے زیر زمینے اچھا سامان لے گا سوت اور کرنا پا جائے۔ بھجواد بھجے اور رز مرموٹ کے لیے پیشوری چیل، ریما کے لیے تیزی سہی

بیٹھتے ہوئے بغور انہیں دیکھنے لگی۔

”تاپ آپ سے آپ رو رہی تھیں۔“ پچھے چکچا تے

ہوئے اس نے سوال کیا۔ نفرت آرا افسروگی سے مسکرا دیں۔

”نہیں بیٹھا! اب طبیعت نہیں ہے۔“ انہوں نے بتایا کہ کس طرح ساری رات لوبلڈ پریشر کی وجہ سے ہونے والے سروروں کے ساتھ ترپ کے گزاری ہے۔

”شاید درد کی وجہ سے ہی آپ رو تھی رہی ہوں گی۔“ اسے ان کی سرخ اور متورم آنکھوں اور بھاری بھاری نم آواز سے شک کرنا۔

”اب ہم نے رو کے کے دکھانے ہے۔“ انہوں نے سرداہ بھری۔

”وہ وقت اور تھا جب ذرا سی تکلیف یہ سکی بھرتے تھے اور امال سب کام کانج چھوڑ کے اپنی گود میں سر لے کر بیٹھ جاتی تھیں۔ بھی بھی تو صرف امال اور زور سے لاڈا انکھوں کی خاطر میں جھوٹ موت بھی سرور دیا پیٹ کی تکلیف کا بہانہ کر دیا کرتی تھی۔ اب تو بڑی سے بڑی تکلیف بھی ہستے ہوئے جھیل لیتی ہوں۔ تکلیف کی شدت ظاہر کرنے کے لیے آنسو بہاؤں بھی توکس کے لیے۔“ وہ دھیمی آواز میں جیسے خود کلامی کرتی رہیں۔

”تمہیں اس لے بلایا تھا کہ ذرا بیٹھ کوٹھک کوٹھک شماک کر دو۔ میری طبیعت تو ایسی نہیں کہ پچھ کر سکوں۔“

”کیا کوئی آرہا ہے تاپ! سرگودھا سے مہمان آرہے ہیں؟“

آناؤ اس کے ہاں سے، ہی ہے مگر رضوانہ خود نہیں بلکہ اس کے جیٹھ کا لڑکا آرہا ہے اور پچھ عرصہ یہاں ہی ”تاپ! آپ نے اتنی لمبی چوڑی سرال میں بیاہ کر پھنسا ارینے ہے گاے اسے یہاں ملازہ مسترد میں جنکی نیپھی کل بھی اکولا۔“ اس تجربے کے بعد انہیں بہتری کی لگا کہ کلثوم کی رضوانہ کا خط آیا تھا۔ آج کل میں اس کی آمد متوقع شادی مختصر گھرانے میں کریں۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ ریسپکٹر سوچا تھا بازار جا کر سوچا دینیک اسکی بھی کمرۃ بھی ان کا اپنا کنبہ مختصر ہے اور امال ایسا کی وفات کے بعد سیٹ کر دوں گی مگر تجھے کی وجہ سے متلی ہو رہی بہنوں کو زیادہ میل جوں کی عادت بھی نہیں رہی، اس لیے ان کا گزار ازیادہ لوگوں میں مشکل ہو گا۔

دنوں رو تی، کلستی رہی تھیں۔

لوبلڈ پریشر کی مصیبت از، ہی دنوں کی پیداوار تھی، وہ دن اور آج کا دن اس مصیبت سے وہ نجات حاصل نہیں کر پائی تھیں۔ رہا شوگر کا عارضہ تو وہ موروثی تھا۔ دادی اور ابا دنوں ہی زیابیس کے مریض تھے۔ سو نفرت آراؤ عین نوجوانی میں ہی یہ مرض لگ گیا۔ البتہ پرہیز اور اختیاط کی وجہ سے وہ اسے کنٹول میں رکھے ہوئے تھیں۔ جانتی تھیں کہ اگر حالت زیادہ خراب ہو گئی تو یہاں کون بیٹھا ہے سنبھالنے یا خیال کرنے والا۔ البتہ بلڈ پریشر بس نہ تھا، اس کے آگے ان کے سارے پرہیز دھرمی کی دھرمی رہ جاتیں۔ محض کلثوم کے سلسلے میں کی گئی اپنی جلد بیازی کے بارے میں سوچ کر یاریوں میں اس کی صعوبتوں کا تصور کر کے ہی وہ اپنالی پی خطرناک حد تک لو کر لیا کرتیں۔

* * *

”پچھ پتہ بھی نہیں بچھ کا پسند کرتا ہے ہی نہیں۔“ مرج مسالے تیز کھاتا ہے ماہلے، کھانا کھی میں پکاؤں یا آئل میں۔ میں تو بن! آئل استعمال کرتی ہوں، وہ بھی برائے نام رضوانہ بتاتی ہے اس کے سرال میں عموماً خالص دیکھی استعمال ہوتا ہے۔ ”نفرت آرا فکر مند تھیں۔ شکلیہ بھا بھی نے ان کی تشویش کم کی۔“

”ارے آپا! پچھ بھی پکالیں۔ آخر پہلی بار کی بات ہے پھر اسے یہیں رہنا ہے۔ اس سے پوچھ جیجے گا کہ بے تکلفی سے بتادے کیا پچھ پسند کرتا ہے ویسے میرا اندازہ ہے، آپ کی بہن کی سرال میں بھلے مکھن اور سکی کھی استعمال ہوتا ہو، لڑکا دا اکثر ہے اور لاہور کے پالٹوں میں رہتا آیا ہے۔ مشکل ہی ہو گا کہ وہ ایسے تقلیل کھانے کھاتا ہو گا۔“

”ہاں ٹھیک کہتی ہو بھا بھی! ہلاو بہاؤں یا بیانی۔“ بیانی میں تو تیز مسالے پڑتے ہیں، کہیں کم نمک مرج کا عادی نہ ہو۔ مجھے تو بیانی کے مسائل کا تناسب بھی بھول گیا، کب سے نہیں بنائی۔“

”تاپ! اب تو ڈبوں میں مسالے عام ملتے ہیں،“ دی

رشتے طے ہونے کے پچھ عرصے بعد انہوں نے اتنا اڑتے سنی تھی کہ ان لڑکوں کا بپ اندر وہ شرپ ریڑھے پہ طیم پیچا کرتا تھا اور دادا اسٹیشن پہ تان رہا کے کاشٹاں لگا کا تھا مگر نفرت آرائی نے کر بھی المانداز کر دیا۔ وہ اتنی شکر زہانت کی نہ تھیں کہ ایسی ایعنی تھی کوہیت دیتیں۔ یہی بہت تھا کہ لڑکا شریف اور ناسب حد تک تعلیم یافتہ تھا، اچھا خاصا کھاتا تھا تھا۔ اگر اس کے بپ دادا اس پیشے سے وابستہ رہ پکے تھے تو قاتنا بڑا جرم نہیں تھا۔ کون سا کلثوم نے یہاں عمر لزارنا تھی۔ اسے تو شادی کے فوراً ”بعد ابو ہاتھا۔“

کلثوم نے وہاں جاتے ہی اطلاع پھیجی کہ اس کا شوہر اور جیٹھ وہاں ریسٹورنٹ نہیں بلکہ ایک ستاسا نچلے ارسے کا دھا بے نہا ہو ٹھیٹ چلاتے ہیں، ہر بے شک اپنا ہے مگر اس کے اوپر والے پورشن میں بننے تین کمرے ہی رہائش کے لیے ہیں۔ پیچے ہو ٹھیٹ کھولا ہوا ہے۔ امرت آراؤ دھیکا سالاگا مکرانہوں نے کلثوم کو سمجھانے بھانے والا خط لکھا کہ کوئی بھی کام برایا تھیں ہوتا۔ اللہ تمہارے کاروبار میں برکت ڈالے گا تو اسی کام سے ملی اعزت اور دولت دنوں حاصل کرے گا۔

مگر یہ جانے کے بعد تو انہیں چپی ہی لگ گئی کہ علی نے ان کی لاڈلی اور نازک مزانج بہن کو تقریباً ”بادر جن بنا دالا ہے۔“

لاڈوں میں پلی ہوئی بہن کے بارے میں یہ علم ہوتا کہ دن رات مشقت کی چکی میں پس رہی ہے۔ ان کے دل کو جیر کے رکھ دیتا۔

دو ڈبوں بار جب وہ امید سے ہوئی ”نفرت آرائے لاکھ کوشش کی کہ علی اسے پاکستان بھیجنے پر تیار ہو جائے“ مگر وہ مان کے ہی نہ دیا بلکہ یہ کہا کہ اس کا خیال رکھنے کے لیے بھا بھی یہاں موجود ہیں۔ وہ تو بعد میں کلثوم نے بتایا کہ وہ ڈیوری سے ایک دن پہلے تک بھی اپنے مولات انجام دیتی رہی ہے اور یہاں کو گھر لانے کے لئے ہی روزہ پھر سے چکن میں تھی۔ اس پے رحمانہ اور غیر انسانی سلوک پہ نفرت آرائی کا کامل ترپ گیا اور وہ بیٹھتے ہوئے بغور انہیں دیکھنے لگی۔

”آپ مجھے بتائیے تاپ! میں سب کر دیتی ہوں سووے کی لسٹ بھی بنادیں۔ اینی کانج سے آتا ہے امنگواریتی ہوں۔“ وہ مستعدی سے کہتے ہوئے الہ کھڑی ہوئی۔ کام سے ذرا نہ گھبراتی تھی۔

”جیتی رہو بیی! خاص کام نہیں،“ بھی پچھے دن پہا۔ جمعداری کو پچاس روپے دے کر سارے جا۔ اتروائے تھے۔ تم قالمین گوڈا برش سے صاف کر۔“ گذو کو ساتھ لگا کر وہ پنگ اندر ایک طرف ڈال۔“ بر آمدے میں دھرا ہے۔ صوفوں کے کشن کے۔“ نئے کورزا روٹھی ہوئی بیڈ شیٹ میں نے کل ہی نکل دی تھی۔ وہ بچا کے بس ذرا اوپر کی جھاڑ پوچھ کر لینا۔“

وہ سر تھامتے ہوئے پھر سے لیٹ گئی۔ رفتہ کام میں جنت گئی اور انہیں پھر سے رہ رہ کر کلثوم کے ڈما کے مندرجات یاد آئنے لگے۔ ان کی پلکوں کے گوٹ نہ ہو گئے۔ سر میں یہیں پھر سے تیز تر ہو کے ابھر لکیں۔ تکلیف کی شدت سے انہوں نے آنکھیں زور سے موند لیں تو چند گرم گرم آنسوں کے چہرے پہ چھیل گئی یہ آنسو انہوں نے اتنی تکلیف سے ہے حال ہو کر نہیں بھائے بلکہ کلثوم کے درد میں بھائے تھے۔

کلثوم کا خط بھی کبھار آتا مگر جب بھی آتا، نفرت آرائی کی حال ہوتا۔ انہیں رہ رہ کے پچھتاوے ڈست لگتے۔ وہ بھی اپنے کسی خط میں یہ تمام تذکرے تفصیل سے دہراتا نہیں بھولتی تھی۔ انہیں اپنے اس حال کے لیے سوراہ الزرام ٹھہرانا اس کی عادت تھی اور وہ بھی ہیشہ کی طرح اس الزام کو دل پھر لے لیتی تھیں۔

رضوانہ کی شادی بھرے پرے کنپے میں کر کے وہ پچھتا رہی تھیں۔ اس کے روئے ہی بندہ ہوتے تھے کہ بلکہ اس کے جیٹھ کا لڑکا آرہا ہے اور پچھ عرصہ یہاں ہی ”تاپ!“ آپ نے اتنی لمبی چوڑی سرال میں بیاہ کر پھنسا ارینے ہے گاے اسے یہاں ملازہ مسترد میں جنکی نیپھی کل بھی اکولا۔“ اس تجربے کے بعد انہیں بہتری کی لگا کہ کلثوم کی رضوانہ کا خط آیا تھا۔ آج کل میں اس کی آمد متوقع شادی مختصر گھرانے میں کریں۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ ریسپکٹر سوچا تھا بازار جا کر سوچا دینیک اسکی بھی کمرۃ بھی ان کا اپنا کنبہ مختصر ہے اور امال ایسا کی وفات کے بعد سیٹ کر دوں گی مگر تجھے کی وجہ سے متلی ہو رہی بہنوں کو زیادہ میل جوں کی عادت بھی نہیں رہی، اس لیے ان کا گزار ازیادہ لوگوں میں مشکل ہو گا۔

کھولو، وہی میں پھینٹو اور بربانی، قورمسسے کچھ بھی ماتiar کرلو پھر بھی جس دن پکانا ہو، رفتت سے کہہ دئنا۔

میری ماوت آج پہلے، ہی دن اتنا اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں۔ کوئی ایک دن کی میزبانی نہیں، کیوں خود کو زیربار کرنی ہو۔ چاول یکاٹا ضروری ہے تو میریا کا بھی چھڑاں دال لو۔ گوشت یا مرغی کا سالم بنا لو۔ بس کافی ہے۔

”ساتھ میں کتاب ضرور ہونے چاہیں بھاہی! آپ نہیں سمجھ سکتیں، بہن کے سرال کا معاملہ ہے اور پھر راحیل تو۔“

وہ دوسری بات بتاتے رک گئیں۔ اسرا کا ذکر کرنا قبل از وقت ہوتا۔ بہر حال انہوں نے شکلیہ حیرت، ہوئی وہ کھائیے رہا ہے۔ وہ تو ایک وقت میں اسہ منہ سے ایک، ہی کام لے گئی تھیں یا کھانے کایا ہے۔ تکان بولنے کا۔ گھبرا کر وہ شکلیہ بھاہی کے بڑے والے اڑ کے اینق کو بلانے پہ مجبور ہو گئیں جو خود بھی ایف ایس سی کا اسٹوڈنٹ تھا اور اسی طرح بے تحاشا اور سہی گفتگو کرنے کا عادی تھا۔ راحیل نے ان کے ہاتھ کے نہ کھانوں کی بے حد تعریف کی۔

”قورمه کمال کا ہے چھی جان! گھر کا بنا تو لگ، ہی نہیں رہا۔ دیگ کالگ رہا ہے۔ ہاں بھی شادی کا کھانا شوق سے نہیں کھاتا لیکن آج دوبار پلیٹ بھری۔ اسرا چھٹے کا پلاو ایسا پکتا ہے تو داعی مزے کی چیز ہے۔ کتاب بھی زبردست بنے ہیں۔ ہمارے گھر جو شامی کتاب غلطتے ہیں، ان میں دو زانقے نمایاں ہوتے ہیں۔ ایک آنکی ہے مگر ان کی رائے ہے ایک میں وہ ایک نا۔“

”کتاب اینق کی بہن سے بنائے تھے۔ مجھ میں اتنی ہمت کمال کہ قیمة پینے پڑتی۔“ وہ پتہ نہیں کب اتنی گئی گزری بھی نہ تھیں مگر گھر کی ساری دوسروں پر ایسا ہی تاثر قائم کرتی تھی۔ ان کے چرے سے راحیل کو اندازہ ہوا کہ شاید اس کی باتوں سے انہوں نے کوئی ملک مطلب اخذ کر لیا ہو، اس لیے فوراً بولا۔

”مگر بتا ہے، اتوار کی چھٹی میں مکمل عیاشی کرتا ہوں۔ زبردست ساناشتہ، پوری چھٹی پر اٹھے کا۔ چھی روز راحیل کو آنا تھا، اسی شام کو کم کی تھیں۔“

”قرمه بھی بازار کے پیکٹ سے بنایا ہے، اس لیے کچھ دن بعد ابوظہبی، جاتا تھا۔ نصرت آرائیے بعد، ڈائیکنیتی میں دیگ جیسے کھانے کا لگ رہا ہو گا۔ گھر

بازار گئیں، وہ بھی شکلیہ بھاہی کے ساتھ۔“

”مومو، جنہیں انہوں نے صرف تصویروں میں دیکھ لے تھا۔ ان کے لیے کچھے خریدے، بندیا، جھومنپا۔“

”آیا، شکر کے درنہ میں سوچ رہی تھی، پتا نہیں تم کہانے پسند کرتے ہو گے۔“

”پھر جان! میں سب ہی کچھ کھالیتا ہوں مگر ایک ملت ہے اور وہ یہ کہ ایک وقت میں ایک، ہی چیز لمانے کا عادی ہوں۔ ایک تو یہ تینوں ڈشز زبردست ہیں، دنرا میں، کسی ایک تو بھی نہ کھا کر آپ کا دل برا میں کرنا چاہتا تھا کہ آپ نے اتنا اہتمام کیا اور میں۔ میں پلیز آئندہ اتنا تردڑ کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں ہاشتہ بست لائے لیتا ہوں، چائے اور آمیٹ تو میں خود ہمی بست اچھا بنا لیتا ہوں، آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔“

”کیسی بات کر رہے ہو، میرے! میرے ہوتے ہوئے کیا تم خود اپنا شستہ نہاؤ گے؟“

”کیا فرق رہتا ہے کئی سال یہ ڈیوٹی خود، ہی انجام دیتا رہا ہوں۔“ تو میں گھر پہ ہوں گا، ہی نہیں، رات کا کھانا ہی یوں کھالوں تو نہیں آتی۔ سارا دن ایک دوارڈ سے دوسرے دوارڈ تک پریڈ کرنے کے بعد اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ کھانے کے بعد مزید واک کی جائے، اس لیے ہلکی پھلکی چیزیں کھاتا ہوں۔ رات کے کھانے کے لیے میری فیورٹ چیز دال چاول ہے۔ والیں اور خونے بھئے سب ہی پسند ہیں مگر صرف اور صرف چاول کے ساتھ۔“

انی طرف سے اس نے اپنائیت اور بے تکلفی کا مناظرہ کرتے ہوئے تفصیل سے بتایا مگر نصرت آرائے چرے کا رنگ پھکا رہا گیا۔ اسیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ان کی کم مائیگی کے احساس سے کہہ رہا ہو۔ اگرچہ وہ اتنی گئی گزری بھی نہ تھیں مگر گھر کی ساری دوسروں پر ایسا ہی تاثر قائم کرتی تھی۔ ان کے چرے سے راحیل کو اندازہ ہوا کہ شاید اس کی باتوں سے انہوں نے کوئی ملک مطلب اخذ کر لیا ہو، اس لیے فوراً بولا۔

”مگر بتا ہے، اتوار کی چھٹی میں مکمل عیاشی کرتا ہوں۔“ زبردست ساناشتہ، پوری چھٹی پر اٹھے کا۔ چھی روز راحیل کے اس دفعہ کے اسماں لیئے بھی بھاہی کے ساتھ اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیوں خود کو زیربار کرنی ہو۔ چاول یکاٹا ضروری ہے تو میریا کا بھی چھڑاں دال لو۔ گوشت یا مرغی کا سالم بنا لو۔ بس کافی ہے۔

پکارنا زار امعیوب لگتا ہے بیٹا!“
”اوھسی سوری، مجھے اتنی بار کی میں سوچنے کی
عادت نہیں۔“ وہ بخل سا ہوا۔ ”چلیں میں ذمیم اور
ایسا کی طرح آپ کو خالہ جان کہہ کر پکار لیتا ہوں۔“
پکھ، ہی دیر بعد گذو نے آگر پیغام دیا۔

”آپا! باہر گوئی عبد الحمید صاحب آئے ہیں، آپ کا
پوچھ رہے ہیں۔“
”مارے ہاں، وہ علی کار شتہ دار ہو گا۔ لا او بیٹا! انہیں
یہاں لا کر بخواو۔“ وہ جلدی سے اٹھ کر سامان لانے
چل دیں۔ واپس آئیں تو راحیل ان صاحب سے
سبجیدی کے ساتھ محو گفتگو تھا جبکہ شکلیہ بھابھی چائے
حرم کر کے کتاب اور بیکٹ کے ساتھ حق میزیاں ادا
کرتے ہوئے پیش کر چکی تھیں۔ آپ نے برا ساشاپ
آگے بڑھایا تو راحیل نے ہاتھ بڑھا کے تھام لیا اور ان
صاحب کو دینے سے پہلے خود کھول کے بیٹھ گیا۔ جیب
سے قلم نکال کر وہ سامنے رکھی کالی سے ایک ڈرق نکال
کر ان اسیاء کی لست بنانے لگا۔ آپ نے کچھ تعجب سے
اس کی حرکت دیکھی۔

”اوھسی او، میں تو بھول ہی گیا۔“ عبد الحمید
صاحب نے کچھ یاد آجائے پڑا جانک کہ
”وہ گھری اور جائے نماز تو ٹیکسی میں ہی زہنی۔ میں
نے دو اسیں جیب میں ڈال لی تھیں اور ان دونوں اشاء،
کاشاپ سیٹ پر رکھا تھا۔ ٹیکسی میں نے باہر ہی رکوائی
ہوئی ہے۔ مجھے اجازت دیجئے، میں اس پچے کے ہاتھ
آپ کے پانی دونوں تھنے بھی بھجو اور تباہوں۔“
”وہ گذو کو لے کر باہر نکلے تو شکلیہ بھابھی نے جتنا
والی نظریوں سے آپا کو دیکھا۔

”وہ بھائیہ کتنا بے ایمان شخص ہے۔ وہ تو اچھا،“
راحیل نے ہوشیاری دکھائی۔ جب احساس ہوا کہ پکڑا
نہ جاؤں تو فوراً ”گھری بھی یاد آگئی اور جائے نماز بھی۔
اس نے وہاں جا کر یہی چال چلنی شروع کر دی۔ مرنے کل آکئی۔
چار ہزار خرچ کر دا لے اور پہ دھیزیں وہاں دے کر بالی
ہڑپ کر جاتا۔ اب کلثوم کافون آئے تو یاد سے ساری
لشدود ہر اندا۔“

”برابر والوں کا نمبر دیا ہوا ہے مگر فون تو سال میں
ایک آدھ بار کرتی ہے اور ہمیشہ یہی کہتی ہے کہ لمبی
فون لگوائیں۔ ہمایوں کے گھر فون کر کے آپ کو بولا،“
”اوھسی لست خالہ جان کی سولت کے لیے، جب
آپ کی بیٹن کافون آئے تو یاد سے انہیں سہ لست دہرا
دیتھیے گا تاکہ اکن نے علم نہیں ہو، آپ نے کیا پچھا بھجوایا،“ عجیب سال لتا ہے۔
”اہم چیز آپ کے گھر میں نہیں۔ آپ اکیلی رہتی ہیں،“
”از رکھریت،“ آڑا دیکھ کر تھیں اور راحیل کی باتوں پر لاریز آپ کے لیے بہت بستر ہو گا کہ فون کی سولت ہر دفعہ
عبد الحمید صاحب خاصے جزیز ہو رہے تھے۔ انہوں آپ کے پاس ہو میں تو رضوانہ
انٹلام کرو یا تھا۔ اس نے اپنے اپنا سیت بھرے رویے
کافون آکیا۔ راحیل سے بات کرنے کے بعد اس نے

اتھے میں گذوایک شاپ اٹھائے اندر آگیا۔
”عجیب انکل ہیں،“ کہہ رہے تھے، ”شاپ گاڑی کی
سیٹ بھول آیا ہوں مگر نیکسی کی ڈگی میں سے اپنی
تیکس نکلو اکر، کھلو اکر ڈھیرں سامان کے پیچے سے یہ
نکال کر دیا۔“

”جائے نماز بدی خوبصورت ہے اور لکنی دیز
بھی۔“ شکلیہ کھول کے دیکھنے لگیں۔ ”اوہ گھری بھی
بہت نیس اور منگی والی لگ رہی ہے۔ تباہی میں آتے
چلتے ہوئے پین لیا کریں۔“ مگر نفرت اڑانے اس
گھوڑن اور بلیک ڈائل والی نازک سی رست وارچ کو
دیکھتے ہی سوچ لیا کہ وہ اسے اینلا کو گفت کر دیں گی۔ اینلا
کے میڑک کے رذشت کے بعد رضوانہ کالا ہو رکا کوئی
چکر ہی نہیں لگا اور اس کے شاندار نمبروں سے پاس
ہونے کا گفت ان پہ ادھار تھا۔



وہ اپنے دھیان میں مگن بیٹھی بڑے انہاک سے
چارل چمن رہی تھیں کہ فون کی بیل نے انہیں
ہڑپانے پر مجبور کر دیا۔ دو ماہ سے اور ہو رہا تھا اس گھر
میں فون کا اضافہ ہوئے مگر وہ تھیں کہ اب تک ان
وقت یہ وقت بختے والی کرخت گھنٹیوں کی عادی نہ
ہو پار رہی تھیں۔ تیسری بیل پر فون راحیل نے اٹھا لیا
تھا۔ وہ ہاتھ روک کر سننے کی کوشش کرتے ہوئے
اندازہ لگانے لگیں۔ جب راحیل کی بے فکری آواز
میں ”اوہ سناؤ یارسے“ ساتھا طمیباں بھرا سانس بھرتے
ہوئے سر جھنکا اور پھر سے چارل چمنے لگیں۔

راحیل کو ان کے ساتھ رہتے ہیں میا ہو رہے تھے۔
”اوہ اس کے ساتھ کی عادی ہو جائی تھیں۔“ وہ جو اک
موہوم ساندیشہ تھا کہ سالوں تک تنہار نے کی عادت
کیں ایک اور وجود کے ساتھی کی وجہ سے مشکل نہ پیدا
کر دے۔ اب اس کا دور دور تک گزرنا تھا۔ وہ تو ایک
ملح سے رضوانہ کی شکر ہزار تھیں جس نے ان کی
ٹنائی کے مددوے کے لیے راحیل کے یہاں ٹھہرنا کا
انٹلام کرو یا تھا۔ اس نے اپنے اپنا سیت بھرے رویے

سے کہیں یہ احساس نہ ہونے دیا کہ وہ ان کے لیے غیر
ہے۔ وہ ایسا ہی سمجھ رہی تھیں جیسے زیمیں ان کا اپنا
بھانجا، ان کی ماں جائی کی اولاد ان کے پاس ہے۔ وہ اس
کے لاذبھی ایسے ہی اٹھایا کرتیں اور وہ تنہار سے مان سے
اٹھوایا بھی کرتا۔ جب ہی تو ضد کر کے یہ فون لگوایا۔
حالانکہ نفرت آپا کو اعتراض تھا۔

”اوہ بیٹا! تمہارے پاس یہ دوسرا فون ہے تو سی۔“ ان
کا اشارہ اس کے موبائل فون کی طرف تھا۔ ”پھر یہ گھر
پر الگ لگوئے کی کیا ضرورت ہے۔ ہر وقت تمہاری
جیب میں کھلوئے کی طرح پڑا رہتا ہے اور گھری گھری
بجتا بھی رہتا ہے۔“

”ہاں۔ مجھے تو ہر ضروری کال موصول ہو جاتی ہے
لیکن خالہ جان! اگر مجھے باہر سے آپ کو فون کرنا ہو تو
پھر سی؟ اپنی دیر سویر کی اطلاع دینی ہو تو کیسے دوں؟ میرا
کام، ہی ایسا ہے۔ آپ کے سامنے ابھی آخر بیٹھتا ہوں
کہ کال آجائی ہے، اسی طرح اکثر ایسا ہوتا ہے کہ
راستے سے ہی واپس پلٹن پڑتا ہے یا کسی ایمیڈیا کی
صورت مزید کچھ گھنٹے رکنا پڑ جاتا ہے۔ آپ کی ریٹائلی
کے خیال سے لے رہا ہوں تاکہ آپ کو خبر کرو دیا
کروں۔“

وہ چیز ہو رہیں۔ فون لگنے کی اطلاع دینے کی خاطر
سرگودھا کے ساتھ ساتھ ابو ظہبی بھی کال کی گئی۔
یہاں کا نمبر بھی ریاضی کیا۔ کلثوم کو واقعی گھر میں فون لگنے کی
تبے حد خوشی ہوئی۔ وہ اب ہر بہتے فون کرنے لگی۔ وہ
تین بار اس سے لفظیں اور سکون سے بات کرنے کے
بعد اب نفرت آپا کو بھی فون کی افادت کا احساس
ہونے لگا۔

”ہیلوبی لیں ڈاکٹر راحیل اپسینکنگ۔“ ”اب وہ
کسی اور سے بات کر رہا تھا۔ چھٹی کا دن ہو تو سارا دن
یہی چلتا رہتا تھا۔ منٹ منٹ بعد اس کے فون آیا
کرتے۔ وہ بھی ایسا ہی ایک چھٹی کا دن تھا۔ صحیح صبح
سلیے کلثوم کافون کا فون آیا، ریما اور مو موسے بات کر کے وہ
حلقی سرشار تھیں۔ ناشتے سے فارغ ہو میں تو رضوانہ
کافون آکیا۔ راحیل سے بات کرنے کے بعد اس نے

سوچ کر خجالت محسوس کی۔ البتہ شکلیہ بھابھی خاس
مطمئن نظر آرہی تھیں۔

”اوہ بین جی! یہ طاقت کی دوائیں بھابھی صانع
نے آپ کے لیے بھجوائی ہیں۔“ انہوں نے اٹھنے کی
تیاری کی اور کوٹ کی جیب سے ایک سیرپ اور چند

کیسوں نکال کر سامنے رکھے۔

”خالہ جان! ذرا وہ خط لایے گا،“ دوائیں کے نام وہی
ہو کے اس کی صورت دیکھی۔

”اوہ بیٹا! دوئی میں تو بھول ہی گیا۔“ عبد الحمید
صاحب نے پچھا یاد آجائے پڑا جانک کہ

”وہ گھری اور جائے نماز تو ٹیکسی میں ہی زہنی۔ میں
نے دو اسیں جیب میں ڈال لی تھیں اور ان دونوں اشاء،
کاشاپ سیٹ پر رکھا تھا۔ ٹیکسی میں نے باہر ہی رکوائی
ہوئی ہے۔ مجھے اجازت دیجئے، میں اس پچے کے ہاتھ
آپ کے پانی دونوں تھنے بھی بھجو اور تباہوں۔“

”وہ گذو کو لے کر باہر نکلے تو شکلیہ بھابھی نے جتنا
والی نظریوں سے آپا کو دیکھا۔

”وہ بھائیہ کتنا بے ایمان شخص ہے۔ وہ تو اچھا،“
راحیل نے ہوشیاری دکھائی۔ جب احساس ہوا کہ پکڑا
نہ جاؤں تو فوراً ”گھری بھی یاد آگئی اور جائے نماز بھی۔
اس نے وہاں جا کر یہی چال چلنی شروع کر دی۔ مرنے کل آکئی۔
چار ہزار خرچ کر دا لے اور پہ دھیزیں وہاں دے کر بالی
ہڑپ کر جاتا۔ اب کلثوم کافون آئے تو یاد سے ساری
لشدود ہر اندا۔“

”برابر والوں کا نمبر دیا ہوا ہے مگر فون تو سال میں
ایک آدھ بار کرتی ہے اور ہمیشہ یہی کہتی ہے کہ لمبی
فون لگوائیں۔ ہمایوں کے گھر فون کر کے آپ کو بولا،“

”اوہ بیٹا! کافون آئے تو یاد سے انہیں سہ لست دہرا
دیتھیے گا تاکہ اکن نے علم نہیں ہو، آپ نے کیا پچھا بھجوایا،“ عجیب سال لتا ہے۔

”اہم چیز آپ کے گھر میں نہیں۔ آپ اکیلی رہتی ہیں،“
”از رکھریت،“ آڑا دیکھ کر تھیں اور راحیل کی باتوں پر لاریز آپ کے لیے بہت بستر ہو گا کہ فون کی سولت ہر دفعہ
عبد الحمید صاحب خاصے جزیز ہو رہے تھے۔ انہوں آپ کے پاس ہو میں تو رضوانہ
انٹلام کرو یا تھا۔ اس نے اپنے اپنا سیت بھرے رویے
کافون آکیا۔ راحیل سے بات کرنے کے بعد اس نے

آپ سے بھی تفصیلی بات کی، وہ اب خاصی مطمئن نظر آ رہی تھی کہ اس کی آپا اس کے سرالی عزیزاً اور متوقع داماد کی خاطر داری اور مہمان نوازی ٹھیک ٹھاک طریقے سے کر رہی ہیں۔ اس کافون بند ہوتے ہی شکلیہ بھا بھی کی ای کافون آتی۔ وہ فون رکھ کے ابھی پلٹی، یہ تھیں کہ بدل دیا رہن گا تھی۔

”لکھاے، آج تو فون کو ذرا آرام نہیں۔“ نصرت آئے نہ نہ کے کہا۔ شکلیہ بھا بھی جاتے جاتے رکھتے۔

”تعلق داری بھی کوئی چیز ہے شکلیہ! فترے سے شام اگھر آنے کے بعد اتنی ہمت نہیں رہتی کہ کہیں اور ہا جاسکے اور بیمار کی عیادت کرنا تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے میں گھنٹہ ڈریڈھ گھنٹہ میں لوٹ آؤں گا پھر چلے چلیں گے۔“

”دوبہر کے وقت اس قدر گرمی میں کوئی وقت نہیں۔“ تو اور بازار میں خوار ہونے کا اور سبزیاں بھی بچی بچی ”

لیے اور کیا کر سکتی تھیں؟ البتہ شکلیہ کامیکہ بھرا پڑا تھا۔ افسوس اور حیرت کا مقام تو یہ تھا کہ ان لوگوں سے میں کوئی اپنا فرض تکمیل کرنے کو تیار نہ تھا۔ کسی بھائی لے یہود بہن کی وجہی تھیں کہ اس ڈر سے نہ کی کہ یہ امر دی منیکی نہ پڑ جائے اور چھ افراد کی ذمہ داری اتنا لئے لیتا۔ میں ویکن یہ ہو آتا ہوں۔“ اور لوگ چلے گئے۔

یہوی کے روکنے کے باوجود گھر سے نکل گئے۔ ویکن پر سفر کرنے کا خاص تجربہ نہ تھا، اس لیے پیر سرڑک رکھنے سے پہلے ہی ویکن والے ویکن آگے بڑھا۔ وہ لڑکھڑا کے گردے اور پیچھے سے آئے والی تیز رفتار ویکن سے نکلا کر اچھل کے فشیپاٹھ پر گردے۔

کمر، پازو اور نانگ کے فریچھر کے ساتھ ساتھ اندر یہ چوٹیں بھی آئی تھیں۔ چند راہ کیر اٹھا کے ہپتال لے آئے ان کے کاغذات اور ڈارسی سے فون نمبر ڈھونڈ کے اطلاع کی گئی۔ راحیل اور دوسرے ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود بھی وہ جانبرنہ ہو سکے اور آپریشن سے پہلے ہی اسی شام زخموں کی تابندگی لے ہوئے انتقال گئے۔

یہ ناگمانی آفت شکلیہ اور ان کے بچوں کے ساتھ ایر سویرنہ ہوئی تھی۔ اس بار تو سب اپنے غم میں دیوان، ہی نہ رہا کہ کیا تاریخ ہو گئی سی سب خیال تو، ہی رکھتے تھے۔ اب سرپہ پڑی ہے تو آہستہ آہستہ سیکھ باؤں گے۔“

”اعظم عموماً“ چھٹی کے روز گھرہ، ہی رہا کرتے تھے۔ (جنہیں ہوا تو یہ تو یہ تو ساتھ رہا شستے تھے) بعد اتوار بازار از ہنول لے بینھانے لے گئی۔ سب سے بڑی رفتہ تھی، میں آیا کرتے تھے اس روز انہیں ایک دوست کی عیادت سال کی تھی بمشکل اور سب سے بڑا لڑکا اینیق رکھتے رکھتے جانا تھا۔ شکلیہ کرنے کے بعد اتوار بازار استنبتہ اٹھا رہویں برس میں لگا تھا۔ ابھی الیف ایس سی کے نزاروں روپے کرائے کے نام پر گیئے ادا کرو گی۔“

”ایسا کامیاب حاصل کی تھی۔ ربیعہ اور گذو ابھی اہل میں تھے۔“

ایسے وقت میں نصرت آرائے اپنی ہمت اور اہل دارے سے رہنے کے اس صدقے سے عذر حال کنے کو مارا رہا۔ اعظم بھائی کا ایک، ہی بھائی تھا جو بیرون ملک سے میں مقیم تھا۔ اس نے فون پر تعریف کرنے کی ای زتمت کی۔ روئی پیش توبت مگر بھائی اور بچوں کے لیے اور کیا کر سکتی تھیں؟ البتہ شکلیہ کامیکہ بھرا پڑا تھا۔ افسوس اور حیرت کا مقام تو یہ تھا کہ ان لوگوں سے

میں کوئی اپنا فرض تکمیل کرنے کو تیار نہ تھا۔ کسی بھائی لے یہود بہن کی وجہی تھیں کہ اس ڈر سے نہ کی کہ یہ اس رشتے کو ایمان داری سے بھاول۔ یہ

بنتا ہے کہ اس رشتے کو ایمان داری سے بھاول۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے، تم اس میں حق کے ساتھ رہ سکتی ہو۔“

ان کی مخلصانہ پیشکش پر شکلیہ کے آنسو پھر بہہ نکلے۔

”آپ کی محبت اور خلوص اپنی جگہ آتیا! لیکن اپنے بچوں کو یہی کے دکھ کے ساتھ ساتھ محتاجی کی ذلت سے دوچار نہیں کرنا چاہتی۔ آپ جانتی ہیں کہ وہ ایک غیور باب کی اولاد ہیں یہ مجھ سے گوارا نہ ہو گا۔“

”آئی! میں بھی تو یہاں رہتا ہوں، پورے حق اور دھڑکے ساتھ۔“ راحیل نہ مدد اختلت کی۔

”اور آپ کا خالہ جان کے ساتھ رشتہ کہیں زیادہ پرانا اور مضبوط ہے۔ مجھے تو جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں۔ محبوں سے اتنی بد گمانی ناشکری ہوتی ہے آئی! جمال سے بے لوٹ محبت ملے، ہاتھ بیٹھا کر سمیٹ لینی چاہیے۔ کسی کی محبت اور شفقت کی چھاول میں بیٹھا تھا جیسے سے بالکل الگ بات ہے۔“

وہ کچھ نہ کہ سکیں۔ چپ چاپ روپیے سے آنسو صاف کرنے لگیں، البتہ انداز میں اب تک تذبذب اور پھکپاہٹ تھی۔

”مچھا چاپو، ایسا کرو، تم سارے بل وغیرہ پہلے کی طرح ادا کرتی رہتا۔ بس کرایہ بھول جاؤ وہ بھی تک جب تک کہ اینیق اپنے پیروں لیے کھرا نہیں ہو جاتا۔ اب دیر ہی کتنی رہ گئی ہے اس کی تعلیم مکمل ہونے میں۔“

”بچھے تو آہار نہیں لگ رہے۔ بھلا چار چار کی فیس نزاروں روپے کرائے کے نام پر گیئے ادا کرو گی۔“

”یہ خیال تو میرے ول میں بھی آیا تھا۔ اما سے مشورہ کیا تو کرنے لگیں۔ کسی سے علاقے میں چھوٹا پورشن دیکھ لو جس کا کرایہ دوڑھائی ہزار تک ہوتا کہ آسانی سے ادا ہو جائے۔ بس ذرا ہوش آئے تو اصر اور ہر یہی تھی ہوں۔“

”یہی باتیں کرتی ہو بھا بھی! میں بھلا ٹھیسیں یہاں سے جانے دوں گے۔ اب اعظم بھائی نہیں رہے تو ان کی آپا ہونے کے ناتے تم اور بچے میرے اور قریب آگئے ہو۔ میں ٹھیسیں دور کے جانے دوں گی بلکہ میرا فرض بنتا ہے کہ اس رشتے کو ایمان داری سے بھاول۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے، تم اس میں حق کے ساتھ رہ سکتی ہو۔“

ان کی مخلصانہ پیشکش پر شکلیہ کے آنسو پھر بہہ نکلے۔

”آپ کی محبت اور خلوص اپنی جگہ آتیا! لیکن اپنے بچوں کو یہی کے دکھ کے ساتھ ساتھ محتاجی کی ذلت سے دوچار نہیں کرنا چاہتی۔ آپ جانتی ہیں کہ وہ ایک غیور باب کی اولاد ہیں یہ مجھ سے گوارا نہ ہو گا۔“

”آئی! میں بھی تو یہاں رہتا ہوں، پورے حق اور دھڑکے ساتھ۔“ راحیل نہ مدد اختلت کی۔

”اور آپ کا خالہ جان کے ساتھ رشتہ کہیں زیادہ پرانا اور مضبوط ہے۔ مجھے تو جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں۔ محبوں سے اتنی بد گمانی ناشکری ہوتی ہے آئی! جمال سے بے لوٹ محبت ملے، ہاتھ بیٹھا کر سمیٹ لینی چاہیے۔ کسی کی محبت اور شفقت کی چھاول میں بیٹھا تھا جیسے سے بالکل الگ بات ہے۔“

وہ کچھ نہ کہ سکیں۔ چپ چاپ روپیے سے آنسو صاف کرنے لگیں، البتہ انداز میں اب تک تذبذب اور پھکپاہٹ تھی۔

”مچھا چاپو، ایسا کرو، تم سارے بل وغیرہ پہلے کی طرح ادا کرتی رہتا۔ بس کرایہ بھول جاؤ وہ بھی تک جب تک کہ اینیق اپنے پیروں لیے کھرا نہیں ہو جاتا۔ اب دیر ہی کتنی رہ گئی ہے اس کی تعلیم مکمل ہونے میں۔“

”بچھے تو آہار نہیں لگ رہے۔ بھلا چار چار کی فیس نزاروں روپے کرائے کے نام پر گیئے ادا کرو گی۔“

پیش کی رقم سے کیسے ادا ہوگی۔ ”

”آپ اس بارے میں فکر مند نہ ہوں۔ اینت کی تعلیم بھی جاری رہے گی اور انشاء اللہ باقی سب کی بھی اور اس کے لیے آپ کو زیر پار بھی نہ ہونا پڑے گا۔ میں نے اینت سے بات کی ہے۔ میرے ہمسٹل کی فارمیسی میں جگہ خالی ہے۔ مل وہ میرے ساتھ جائے گا۔ شام کرن بن بجے سے لے کر رات آٹھ بجے تک کی پارٹ نامم جاپ ہے۔ تیخواہ نیاہ تو نہیں، البتہ اس کی کانج کی فیس اور کتابوں وغیرہ کا خرچا، آنے جانے کا کراچی نکل آیا کرے گا۔ محنت تو ظاہر ہے کرنی پڑے گی لیکن تعلیم ادھوری چھوڑ دینے سے یہ کہیں بہتر ہے۔ بغیر تعلیم کے آگے بڑھنے کے موقع نہیں ملتے فارمیسی کے ہمہ تک، ہی محدود رہے گا جبکہ میں چاہتا ہوں کہ ایس کی کے بعد فارمیسی کے تجربے کی بنیاد پر اسے کسی فارم اسوسیل کمپنی میں جاپ مل جائے۔ اس میں خاصاً اسکوپ ہے۔ سہیل بھی چاہے تو کانج کے بعد محلے کے دو تین بچوں کو شام میں ڈیوشن رہا کے اپنا جیب خرچ اور قیس نکال سکتا ہے۔ آپ کے پچے کسی پر بوجھ نہیں بنیں گے۔ ”

اگرچہ راحیل کبھی کلثوم سے ملانہ تھا مگر اپنی ۴۹ تکلفانہ طبیعت کی وجہ سے فون پہ ہی کلثوم سے ہیں خاصے روایط برھائیے تھے۔

کتنے اداں اور اچارہ دنوں کے بعد یہ پہلی اچھی فہم تھی جو انسوں نے سنی۔ کلثوم نے اپنے اور بچوں سہ ساکستان آنے کی خبر سنائی تھی۔ لکھنی، ہی درپر تک تو انہیں یقین نہ آیا۔

”اور آپا! ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ اسٹور میں سے فالتو ہائپ کیاڑ نکلوادیں یا بست ضروری سے تو اور میرے انور میں رکھوادیں۔ وہ کمرہ بچوں کے لیے سیٹ لریں، کلثوم تو آپ کے کمرے میں بھی رہ لے گی۔ بے کار اتنے بڑے کمرے کو اسٹور روم بنارکھا ہے۔“ مایلہ بھائی نے مشورہ دیا۔

”ہاں، اس میں بست پچھے ایسا ہے جو میرے کام کا ایں مکر کی نہ کسی کے کام تو آتا ہے۔ جیسے بستروں سے بھری پیٹی جواب کام آئے گی۔ دس مہمان بھی آبائیں تو تکنی، چادریں، ہمیں، الحاف بست، اس کے مارہ کلثوم کے جیزرا اور اپنے لیے بنارکھی کڑھائی والی ہاریں، مبل اور برتن وغیرہ۔ وہ تو دوسرے ملک گئی،“ تینوں بھیں مل کے وقت گزاریں گی۔“

وہ بھی اس تجویز پر متفق ہو گئیں۔ بعد میں رضوان کو فون کیا۔ پچھے پس دیش کے بعد وہ بھی مان گئی مکر

صرف پانچ چھوڑ روز کے لیے۔ اس سے زیادہ اس کے

لیے ممکن نہ تھا کہ وہ گھر بار چھوڑ کے آسکتی۔ پچے بھی

پڑھ رہے تھے، وہ اسی پر مطمئن ہو گئی۔

* * *

اس نے اگلے ماہ کے پہلے ہفتے آنے کا باتیا تھا۔ اہل

تقرباً ”اٹھارہ بیس روز تھے“ تیاری کے لیے کافی تھے ہر

وہ حسب عادت بوکھلا گئیں۔ راحیل کے

اچھیں۔ اتنے میں فون کی نیل نے اہمیں ایک بار پھر

چون کاریا نہ چاہتے ہوئے بھی رک کے سنبھل لیں کہ

قریں کافون ہو سکتا ہے۔ یہ ان کی عادت بن چکی تھی۔

”لکھنی پر وہ ملکی خیر، مکتبے ہوئے اور جنگ تکراری میں کیسے ایڈ جسٹ کریں گی۔“

اطمینان نہ ہو جاتا کہ کوئی بڑی خبر نہیں ہے، وہیں کھڑی

رہا تھا کہ وہ یوں بوریا بستر سمیت کر چلا جائے۔ وہی ایسا

”خالہ جان! ابوظہبی سے فون ہے چھوٹی خالہ“ کی پرانی مرمت اور لحاظ والی عادت۔ اہمیں متذبذب

ممکن اہتمام کا سامان رکھوا لیا۔ رفتہ برابر ان کے ساتھ گئی رہی۔ شکلیہ بھالی نے اسے خاصہ ہدایت کی تھی کہ جب تک مہمان رہیں، وہ نیچے آپ کے پاس رہا کرے تاکہ انہیں کم سے کم کام کرناڑے حالانکہ پہلے کی نسبت اب نفرت آرائی صحیح رہتی تھی۔

سردیاں جاتے ہی جوڑوں کا درد تو یہ بھی بھاگ جاتا تھا۔ اب گھر میں راحیل جیسے ڈاکٹر کے ہوتے ان کا بلدری شر اور شوگر دنوں کنٹول میں رہنے لگے تھے۔

سلے کی نسبت اب وہ زیادہ چاق و چوبنڈ اور چست رہنے لگی تھیں۔ اس کے باوجود رفتہ نہ خوشی سے کچک کی تمام ترمذہ داری اپنے سر لی۔

ایک دن رہ گیا تھا کلثوم کے آنے میں۔ شکلیہ بھائی جواب خاصی سنبھلی ہوئی تھی تھیں، مہندی کا پیالہ لئے نیچے اتریں۔

”لاس ٹیا، آپ کے سرپہ مہندی لگاؤں۔ بال کتنے روکھے ہو رہے ہیں اور بد رنگ بھی۔ آپ نے اب بقا عدیگی سے رنگنا پچھوڑ دیا ہے۔“

”کس کے لیے رنگوں بھالی۔“ وہ نہ پڑیں۔

”اب تو عجیب سالگا تھے۔“

”اپنے لئے آپ اور کس کے لیے؟ اب وہ نہیں

رہے تو کیا میں جینا چھوڑ دوں،“ آپ نے ہی کہا تھا مجھے۔ اور سچ بھی ہے بچوں کے لیے دنیا کے لیے جینا تو رہتا ہے اور وہ بھی زندہ لوگوں کی طرح مردہ لوگوں کی طرح جینے کا کیا فائدہ۔ میری بیٹی نے مہندی گھولی اور

میرے بال کھول کے لگانے لگی تو میں اسے منع نہ کر سکی۔ اب کہاں تک انہیں بات پہ پہ احساس دلاؤں کہ زندگی وہ نہیں رہی۔ لا میں آپ بھی بال رنگوں ہی لیں اپنے لیے نہ سی، تک آنے والے مہمانوں کے لیے ہی سی۔ بھائی بھائی یہ نہ سمجھیں، خالہ سے ملنے آئے ہیں یا انہیں سے۔“

”بیٹی کی طرح ہی پالا ہے میں نے کلثوم کو میں۔ ان بچوں کی نالی ہوں۔ جب بارہ سال کی عمر میں کلثوم کی ماں بن سکتی ہوں تو چوالیں، پینتالیں سال کی عمر میں اس کے بچوں کی نالی کیوں نہیں۔“

ایک کے وہ مزید گویا ہوا۔ ”اب آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں مہمانوں سے مگر اکھک رہا ہوں تاکہ آپ کوئی کام سرپہ نہ ڈالیں۔ روز آؤں گا اور میرے لائق جو بھی خدمت ہو،“ ضرور بتائے گا۔“

”آپا! ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ اسٹور میں سے فالتو ہائپ کیاڑ نکلوادیں یا بست ضروری سے تو اور میرے اس نور میں رکھوادیں۔ وہ کمرہ بچوں کے لیے سیٹ لریں، کلثوم تو آپ کے کمرے میں بھی رہ لے گی۔“

بے کار اتنے بڑے کمرے کو اسٹور روم بنارکھا ہے۔“

”بھائی جواب دیا۔“ اس میں بست پچھے ایسا ہے جو میرے کام کا ایں مکر کی نہ کسی کے کام تو آتا ہے۔ جیسے بستروں سے بھری پیٹی جواب کام آئے گی۔ دس مہمان بھی آبائیں تو تکنی، چادریں، ہمیں، الحاف بست، اس کے مارہ کلثوم کے جیزرا اور اپنے لیے بنارکھی کڑھائی والی ہاریں، مبل اور برتن وغیرہ۔ وہ تو دوسرے ملک گئی،“ ساتھ پچھنے لے جاسکی، خاندان میں کوئی شادی بیاہ ہوتا ہے۔ آپ بھی اپنی طرف سے فون کر کے بلوایتیہ۔ ایک آرہوں کے لیے ان سے ملنے چلی بھی جاؤں؟“ اما فائدہ۔ اس سے بہتر ہے کہ وہ بھی یہاں آجائیں۔

”تینوں بھیں مل کے وقت گزاریں گی۔“

”وہ بھی اس تجویز پر متفق ہو گئیں۔ بعد میں رضوان

کو فون کیا۔ پچھے پس دیش کے بعد وہ بھی مان گئی مکر

صرف پانچ چھوڑ روز کے لیے۔ اس سے زیادہ اس کے

لیے ممکن نہ تھا کہ وہ گھر بار چھوڑ کے آسکتی۔ پچے بھی

پڑھ رہے تھے، وہ اسی پر مطمئن ہو گئی۔

اس نے اگلے ماہ کے پہلے ہفتے آنے کا باتیا تھا۔ اہل

تقرباً ”اٹھارہ بیس روز تھے“ تیاری کے لیے کافی تھے ہر

وہ حسب عادت بوکھلا گئیں۔ راحیل کے

اچھیں۔ اتنے میں فون کی نیل نے اہمیں ایک بار پھر

چون کاریا نہ چاہتے ہوئے بھی رک کے سنبھل لیں کہ

قریں کافون ہو سکتا ہے۔ یہ ان کی عادت بن چکی تھی۔

”لکھنی پر وہ ملکی خیر، مکتبے ہوئے اور جنگ تکراری میں کیسے ایڈ جسٹ کریں گی۔“

اطمینان نہ ہو جاتا کہ کوئی بڑی خبر نہیں ہے، وہیں کھڑی

رہا تھا کہ وہ یوں بوریا بستر سمیت کر چلا جائے۔ وہی ایسا

”خالہ جان! ابوظہبی سے فون ہے چھوٹی خالہ“ کی پرانی مرمت اور لحاظ والی عادت۔ اہمیں متذبذب

رہنے لگی، لیکن زیر ستر لگنے کے بعد ہمیں اور جنگ تکراری میں کیسے ایڈ جسٹ کریں گی۔“

ویکھا ہے، مگنا ہونے کا ذکر پہلی بار سنائے ہے۔ کہاں
یراحیل بھائی! آپ تو ڈاکٹر ہیں، ہے کوئی ایسا والہ
تجربے یا مشاہدے میں؟“

راحیل نے مسکرانے پر اتفاق کیا، جبکہ شکلیہ سے
نظرؤں ہی نظروں میں بیٹھے کو سرزنش کی۔

”یہاں کے ڈاکٹروں کی بات ہی نہ کرو۔ مجھے دہل
ابوظہبی کے ایک بڑے ڈاکٹرنے بتایا تھا کہ ڈپریٹن
کی وجہ سے وزن مسلسل بڑھنے لگتا ہے۔ چہرہ ہاتھ ہم
سوچے سوچے رہتے ہیں۔“

نصرت آیا کا تو جی نہ بھر رہا تھا، سات سالہ ریما اور
چار سالہ مومنہ کو پیار کر کر کے

”کھانا تو بڑا لذیذ بنائے آپ اعرصے بعد گھر کا زاٹقہ میا
یہے۔ ورنہ اپنے لیے الگ سے پکانے کی، ممت نہ ہوتی
تھی۔ جو ہوش کے لیے پکا، وہی خود بھی دو وقت کھالتا۔
تیز مسالے بازاری زاٹقہ“ تھی اور آنکل کا کھانا
استعمال۔ ”وہ خود ہی اپنے مٹاپے کا اصل راز اگل گئی۔
یعنی بلاناغہ مرغ غن غذاوں کا استعمال۔

”لیکن آپ نے نا حق اتنی زحمت کی۔ پہتہ نہیں
اس قدر گرمی میں کتنی دیر کچن میں وقت گزارنا پڑا
ہو گا۔“ اس نے شیبل پر بھی اپنی تمام پسندیدہ ڈشنز سے
مکمل النصف کرتے ہوئے ہمدردی جتنا چاہی۔

”بھئی۔ یہ سب رفتہ کا مکال ہے۔ اس نے مجھے
کچن میں گھٹنے تک نہیں دیا۔ میں نے صرف اسے یہ
بتایا تھا کہ تمہیں کیا کیا پسند ہے اور اس نے تمہاری
پسند کی آدمی ڈشنز بناؤ آیں۔“

فرائی چانپ کی بڈی، چھوڑتی کلثوم نے ایک
اچھتی سی نظر مومو کی پلیٹ میں فروٹ سلاوڈا لتی
رفعت پہ ڈالی۔ سارا سا سرپا، میں اکیس کا ہڈسن،
معصوم چہرے پہ سادگی، بھولپن اور سنجید کی کامیاب
امتزاج۔ گرمی کی حدت سے اس کا گندمی چہرہ تمثراہا
تھا، سلیقے سے گندھے لمبے بالوں کی چوپی سی دو تین
لشیں پنکھے کی تیز ہوا سے نکل کر چہرے پہ لبراری
تھیں۔ یقیناً یہ فرائی چانپ، چکن بربیانی، پالک گوشت
، فروٹ سلاوڈ کباب اور کسرٹ دستیار کرنے میں اس کا پورا

”بچ بھی آج کل ماڈر ان نانیاں دادیاں پسند کرتے
ہیں اور کلثوم کیا سوچے کی اس طرح آپ کو دیکھ کے
اواس ہو گی کہ کوئی آپ کا خیال رکھنے والا نہیں، اس
لیے آپ خود سے غافل ہیں۔ میں نے رفتہ سے کہہ
کر آپ کے سنبھال کے رکھے جوڑے سلوادیے
ہیں۔“

مگر وہ ہندی لگاتے ہوئے کچھ اور ہی سوچ رہی
تھیں۔ رہ رہ کے کلثوم کے بھیجے دردناک خطوط کے
مندرجات تباہ آتے رہے۔

”آپ مجھے دیکھیں تو پہچان نہ سکیں آپ۔“

”بڈیوں کا دھانچہ بن کے رہ گئی، ہولی“

”بچوں کی اوپر تلے کی پیدائش پر یکنیشی اور
زچکی کے بعد کسی کے خیال نہ رکھنے کی وجہ سے میری
صحبت کا حشر ہو کے رہ گیا ہے۔“

”سارا دن کام سے فرصت نہیں ملتی۔ تھکن،“ بے
آرامی تیند کی کمی اور کام کے بوجھے نے ادھ موکر چھوڑا
ہے۔

اور وہ واقعی اسے دیکھ کے پہلی نظر میں بالکل نہ
پہچان سکیں۔ وہ سچ کہہ رہی تھی، اس کا واقعی ”سرش“
ہو کے رہ گیا تھا۔

آنٹھ نو سال پہلے جس کلثوم کو بیاہ کے رخصت کیا
تھا، وہ تیس سال کی کامنی سی گڑیاں چھوٹی موتی لڑکی
تھیں۔ اور اس وقت جوزیورات میں لدی پھندی، کٹے
ہوئے بالوں اور بے تحاشا پھلے ہوئے جسم والی سرخ
وسفید عورت ان کے سامنے کھڑی تھی وہ اسے
پہچاننے سے قاصر تھیں۔ وہ توجہ کلثوم نے اپنے
ھلکل کرتے وجود کو سنبھال کر انہیں گلے لگایا تو
اپنے خون کی مہک نے اس کی پہچان کرائی۔

”یہ تم نے اتنا وزن کیسے بھالیا؟“ زیادہ دیر رہ نہ
سکیں تورات کے کھانے سے سوال کرہی ڈالا۔

رہنڑی رہنڑی، آپا! کیا بتاؤں، فکر روں اور پریشانیوں کے نے یہ
حال کر دیا ہے۔“

”لڑکنی بات پر انتیق کی زبان پر تھجھی ہوتی تھا۔“

”فکر روں اور پریشانیوں سے انسان کو آدھا ہوتے تو
رہنڑی رہنڑی،“

کیا ایثار بالکل بے معنی جذبہ بن کر رہ گیا ہے؟



کلثوم کو آئے چھ روز ہو چکے تھے اور یہ چھ کے چھ دن سے حد مصروف گزرے۔ اس کے بھی اور آپ کے بھی۔ میکن اتارنے اور آرام کرنے کا اعلان کرنے والی کلثوم کے پیر گھر پہ نہ نیک رہے تھے۔ بمشکل ایک روز اس نے مکمل طور پر گھر پہ گزارا۔ اب بھی اس بازار کے چکر لگ رہے ہیں تو بھی اس بازار کے بھی غری پر انیں سیلی سے ملنے جایا جا رہا ہے تو بھی بچوں کو گھمانے کے لیے۔ اتفاق سے اس بفتہ راحیل کی مصوفیات بھی کمر رہیں وہ مقررہ وقت پر شام کو گھر لوٹ آیا کرتا اور نیشنل سرکسی ایم بر جنسی کی صورت میں وہ رات در گئے لوٹا کرتا، بھی کھوار اچانک نائٹ ڈیلوی دینی رہ جاتی۔

کلثوم اسے لے کر اس ایشیٹ اینجنسی کی طرف بھی عینی جن سے اس نے ملاٹ قسطوں پر خریدا تھا۔ پر ساری خرید و فروخت اعظم بھائی اور آپا کی معرفت ہوئی تھی، لیکن اب وہ خود جا کر پلاٹ اور اس کے محل و قبوع اپافٹ خاتون تھیں اپنی بہن رضوانہ کی نسبت ایک کا جائزہ لینا چاہتی تھی اور یہ تخفیف بھی لگانا چاہتی تھی کہ مکان کی تغیری میں کل تک تی رقم اور کتنا عرصہ لگے گا۔ شاید وہ مستقل اپنے پاکستان میں شفت ہونے کے ارادے میں سمجھدیہ تھی۔ البتہ نصرت آراؤ حیرت اسی بات پر ہوتی تھی کہ شوہر سے خفیہ رکھ کے بالائی بالا وہ یہ سارے معاملات کیسے اس رازداری اور کامیابی سے طے کر رہی ہے، وہ کلثوم جسے شادی ہونے تک وہ ایک لا ایما اور الھم مخصوص کی پکی سمجھتی رہیں۔

شام کو سات بجے تک راحیل لوٹ آتا، لیکن اس کے ساتھ ہوتی، آرام کا ایک منٹ نکالے بغیر وہ سب بچوں کو لے کر گھمانے نکل جاتا، بھی کبھی کلثوم بھی ساتھ ہوتی۔ اسے گھونے پھرنے سے نیا نہ شاپنگ کا جنون تھا۔ تباہ تو اسی کے خریداری کے شوق میں ساتھ نہیں دے سکتی تھیں، وہ رفتہ رفتہ کو ساتھ لے جاتی۔ رفتہ بے چاری پر دو ہری ذمہ داری آن پڑی۔ مسح کیا محبت اور قربانی کی کوئی قدر نہیں رہ گئی؟

”اے، ایں ہے۔ وہ بھئی، پر وہ بیٹھی بہنوں کی رہا۔“ دی اور خود کیا مزے ہیں۔ چاپلوسی اب بخت خورے بھمار کھے ہیں وہ لڑکی سارا ایلی سے یہ ایک سے ایک سے ایک عمدہ جوڑا پنے، ایسا کے بیٹھی رہتی ہیں۔“

”اے زیادہ سننے کی اس میں تاب نہ تھی۔ وہ میں چلا آیا اور پلیٹ سامنے رکھ کے بیٹھ گیا۔ اسے تھاکر یہ باتیں پہ روسیے اس کے لیے نئے، ایک بھرے پرے کنبے میں پلا تھا، جو اسٹ فیلی لامب کا تاب نہ ہونے کے برابر تھا۔ خصوصاً“

”اوی، پھوپھیوں وغیرہ سے وہ واقع تھا۔ خود ایک بھرے کرنے کو گرانے والے بارہی سے تپانے کرنے کو گرانے والے بارہی سے اپنے دندناتے پھرتے ہیں۔ ساہے اب تو کہا تک لیتا چھوڑ دیا ہے۔“

”ہاں بیلی ٹھیک ہے کرایہ لینا نہ لینا ان کی مرضی ہے۔ لیتی تھیں تب بھی ان کا فائدہ اب نہ لینے نہ نقصان بھی ان کا، ہمیں تو وہ سے کمھی کی طرح نہل پھینکا۔“

”بالکل ٹھیک بات کی، کوئی اور بہنیں ہوتی آئندہ مکان کے حصے کی بات بعد میں کرتیں پہلے کرایہ تین حصوں میں بانٹا جاتا۔“

راحیل نے ایک گھری سانس بھری، اور سر جھٹک کے پکن کی جانب مڑ گیا۔ سہ پر کے چارنچ رہے تھے اور جب اسے یوں لے وقت کھانا ہوتا تو وہ کسی کو زحمت دیے بغیر خود کھانا گرم کر کے کھایا کرتا۔ چارلی اسٹ بات میں تھے، اس نے رائٹہ ڈالا، دو کیاپ پلیٹ دل پاس چھپا رضوانہ اور میل فیل پھوپھی نسین۔ لیکن حیرت کا مقام تو یہ تھا کہ دو بہنیں مل کے بھری بہن کے سینے اور ہر رہی تھیں۔ اور بہن بھی امرت آرائیں۔

بھی سب سے بڑی اور اہم وجہ تھی راحیل کی حیرانی

اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ نصرت خالہ جیسی بے اُشفیق اور میریان خاتون، جن سے پر ایوں تک کو البتہ ہو جائے، ان کی سگنی بہنیں ان سے نالا کیسے اسکتی ہیں۔

کیا محبت اور قربانی کی کوئی قدر نہیں رہ گئی؟

دن لگا ہوا مگر ایک نہیں کے باوجود وہ ہشاش یا تھی اور اس کی بے ریا مسکراہٹ میں ایک تازگی تھی۔ کلثوم کی سرسری انداز میں اٹھی نظر بست عمیق جائزہ لے کر واپسی لوئی۔

مومو کے بال سلاطی رفتہ نے عجیب بے چینی سی محسوس کی جیسے وہ کسی کی گمراہی نظر کے حصاء میں ہو۔ غیر ارادی طور پر اس نے تپاکی ابوظہبی سے آئی بین کو سر اٹھا کے دیکھا کہ بہر حال وہ ہی پہاڑ نیا اضافہ تھیں اور کسی کو کیا ضرورت تھی اسے گھورنے کی۔ لیکن وہ اطمینان سے پلیٹ میں سویٹ دش ڈال رہی تھیں۔ ان سے ہوتی اس کی نظر تپاکے ساتھ بیٹھ راحیل پہنچ گئی۔

”وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ جہاں لمحہ بھر کو رفتہ کی ساری حیات جھخٹنا اٹھیں، وہ بھی اپنی چوری پکڑے جانے پہ پٹٹا گیا تھا۔“



اگلے دن رضوانہ کافون آیا۔ وہ کلثوم کے آنے پر خوشی کا اظہار کر رہی تھی، ساتھ ہی ویک اینڈ پر لاؤر ہوتا تھا۔

”آپا، ٹھیک ہے میں اس سے ملنے اوس کی لیکن اسے سمجھائیے گا جانے سے پہلے چاہے ایک دن یا چند گھنٹوں کے لیے ہی سی، مگر میرے لھر آئے ضرور، سرال کا معاملہ ہے اور چھوٹے شر کے لوگ ایسے طعنے دینے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ اچھا نہیں لگے گا کہ وہ بڑے بہنوی سے ملے بغیر اپس چلی جائے پہنچ کرے میں بڑھتے راحیل کے کانوں میں ان کی بات بھی خالہ سے مل کے خوش ہوں گے۔ وہ کون سارو ز روز آتی ہے۔ لاؤر سے سرگودھا تک کافاصلہ اتنا بھی پہنچی۔

”رس زیادہ نہیں ہے۔“ ”لے بڑی۔“ ”لے بڑی۔“ ”تم خود کہ لو۔“ ”اپنے بیوی سے جان چھوڑنا چاہی۔“

”تھی کہ ہائے میری بڑی بہن بیمار ہے کوئی دیکھ بھال والا بنتا ہے پچھے بھجنے بچھانے کا۔ بڑی ہیں تو بڑی بہن نہیں۔ یہاں آکر دیکھا تو بھلی چنکی، بھٹی کئی نہ شوگر نہ رک رک بھاکریں۔“ ”اپنے فون دیں، میں مارٹنر اور جوڑوں کا درد بازاروں کے چکر لگ رہے ہیں، سلاطی

صحیح کھانا وغیرہ پکا کے اور دیگر کاموں سے فارغ ہو کے وہ
بارہ بجے تک کلثوم کے ساتھ نکل جاتی۔ شام تک
والپسی ہوتی۔ کلثوم تو اپنے اور پکوں کے لیے خریدے
لبوسات، چیولری وغیرہ و مکھا کے آرام کرنے کی نیت
سے کمرہ بند کرتی۔ اس بے چاری کو اپنے گھر کا حام بھی
دیکھنا پڑتا۔

محقق کرے کی طرف جانے کے بجائے ان الائچے
مسروپ پاوس سمیٹ کے پھیل گئی۔
”یہ جوڑکی ہے رفت“ اس کی ماں نے اس کا
بھی کمیں خبر انی ہے یا یونہی تیرے میرے گھر مکمل
کرنے کو کھر بخمار کھا ہے؟“
نفرت تپا کو اس کی بات پر تو نہیں البتہ کہا۔
انداز پر ضرور ناگواری محسوس ہوئی اس لیے سوال
جواب دینے کے بجائے نوکنائزیاہ ضروری سمجھا۔

”نشکلیہ بھابھی نے بھول کی تربیت بڑے مثالی اماں
میں کی ہے۔ اس بچی کو بھی قلب کے کسی دوسرے کمر
میں جھانٹتے بھی نہیں دیکھا میں نے اتنے سال ہو کے
ان لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے اعظم بھائی نے مجھے
مل سے بھن مان رکھا تھا، اسی ناتے میرے لیے بھی ان
بچوں کا پیار فطری ہے۔ ماں کی بدایتہ وہ آج کل
خصوصی طور پر نیچے صرف اسی لیے کام کرنے آرہی
ہے کہ میں اکیلی جان اب مہمان داری کی عادی نہیں
رہی۔ ورنہ اللہ میرے ہاتھ پیر سلامت رکھے، اپنے
کاموں کے لیے میں کسی پریوجہ نہیں۔“

”اوہ ہو تپا! آپ بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی
ہیں۔ میں نے صرف اتنا پوچھا کہ اس کی کمیں ملتی
وغیرہ ہوئی ہے؟“

”ہاں، آپ کو بتایا تو تھامیں نے کہ میرے جیشہ
جاوید بھائی صاحب دوسری شادی کے چکر میں ہیں۔
وہاں تو سب جگہ کوشش کردا۔ اب مجھے بھجنے ہے اسی
شرط پر رضامند ہوئے تھے کہ جارہی ہو تو کسی مکھلے
گھرانے کی بھلی لڑکی دیکھے آتا۔ میری جیشہانی کو بھی اس
پر اعتراض نہیں۔“

”تو اتنی چھان پھٹک کرنی پڑتی ہے۔“
”تو اتنی چھان پھٹک اور سو خروں کی ضرورت کیا
ہو لوں گی۔“ انہوں نے دل، آئندہ دل میں سوچا۔
”زیر دوسری طرف چاہئے کی چکلائیں لیتی کلثوم بھی شاید اسے
دل میں کوئی ارادے باندھ رہی نہیں۔ اس کا اندازہ صورت بھی خاص نہیں۔ اوپر سے یا پس پکھ چھوڑ کے
انہیں تسب ہوا جب خالی کپ مائیڈر رکھنے کے بعد را امرا نہیں۔ بھائی چھوٹے اور زیر تعلیم۔ کہائے کا
وہ ”اچھا نہیں، میں ذرا مگر سریدھی کر کلوں ہے“ کہتی اپنے لیے سماں، خود بھی نوکری نہیں کرتی کہ شخواہ کالائج ہی کسی

”میں لے اپنے میں آپ کی اس بھائی کو سو شکرا دا
رسنے ہوئے پہلی فرصت میں کسی بھی معقول رشتہ
کے لیے انہیں لڑکوں کے لیے ہے تھے ہیں جن
لڑکوں کے رشتے انہی لڑکوں کے لیے ہے تھے ہیں جن
کے باپ بھائی خود بھی انہی ہی دشیت کے ہوں۔ جن
کے پاس ڈگری، حسن اور بخاری، ہیزیز میں سے کم از کم دو
خصوصیات تو ہوں۔ اس کے پاس کیا ہے اور اب

”ویکھ بھال کے رشتہ طے کرنا بیٹھوں کی ماں کا
ارٹ ہے؟“

”اب مجھے کیا پتا۔ میری ماں تو تھی نہیں۔“ وہ کچھ
ان انداز میں بولی کہ نفرت آر اپالی پانی ہو گئی۔
اپنے لگا وہ سارے گلے۔ وہ سارے شکوے جو وہ
ملوں میں دو ہر اتنی رہی تھی، اب ان کے سامنے اگلے
اے گی۔ وہ اس کے آگے صفائی پیش کرنے کو الفاظ
اہوہڑ نے لگیں کہ یہاں کہ یہاں کہ مودبدل کے پھر پرانے
وضوع پہ آگئی۔

”اک رشتہ سے تو تسویہ میرے پاس۔ اسے دیکھا تو
سوچا، چلوکی سی تیکم لڑکی کا بھلا ہو جائے گا۔“

”واقعی؟“ وہ خوش ہونے کے ساتھ ساتھ جیران
زیادہ ہوئیں کہ اپنے آپ میں مست رہنے والی، اپنی
ہی خوشیوں، اپنے ہی غموں میں بننے والی کلثوم کی اور
کے لیے بھلا سوچ رہی ہے۔

”ہاں، آپ کو بتایا تو تھامیں نے کہ میرے جیشہ
جاوید بھائی صاحب دوسری شادی کے چکر میں ہیں۔
وہاں تو سب جگہ کوشش کردا۔ اب مجھے بھجنے ہے اسی
شرط پر رضامند ہوئے تھے کہ جارہی ہو تو کسی مکھلے
گھرانے کی بھلی لڑکی دیکھے آتا۔ میری جیشہانی کو بھی اس
پر اعتراض نہیں۔“

”کتنی دری تک وہ نکر نکراس کا چڑھ، ہی دیکھتی رہیں۔
سمجھ میں نہ آیا کہ اس بات کا جواب کیا دیں۔ ان کی
خاموشی سے فائدہ اٹھا کر وہ منزد کرنے لگی۔“

”یہ لوگ تو شکرا اور اکرس کے بیٹھے بھائے ایسا اچھا
رشتہ مل گیا ورنہ اچھی بھلی لڑکیاں گھر بیٹھی بوڑھی
ہو رہی ہیں۔“

”اچھی بھلی؟ تو رفت کیا ہے؟ کس چیز کی کی ہے
ان میں؟“ کتنی دری بعد وہ بولنے کے قابل ہوئیں تو
کر لیا کرتی تھیں، اب حقیقت جانتے ہوئے بھی منہ پہ

انتہائی دکھ بھرے لجئے میں یہ سوال کیا۔
”یہ آپ بہتر جانتی ہیں۔ کہاں آئیں سے تو اترنے
سے رہا ایسی عام سی لڑکوں کے لیے انہیں، اور اکثر افسر
لڑکوں کے رشتے انہی لڑکوں کے لیے ہے تھے ہیں جن
کے باپ بھائی خود بھی انہی ہی دشیت کے ہوں۔ جن
کے پاس ڈگری، حسن اور بخاری، ہیزیز میں سے کم از کم دو
خصوصیات تو ہوں۔ اس کے پاس کیا ہے اور اب

”بتابے میرے لائے رشتے میں کیا کیا ہے؟“
”یہ تو تم ہی بہتر جانتی ہو۔“ انہوں نے اس کی بات
لوٹا دی۔ ”بھر حال یہ ذکر دو بارہ مت چھین گئی، کم از کم
شکلیہ بھائی کے سامنے تو ہرگز نہیں۔ میں نہیں چاہتی
کہ ان کی دل آزاری ہو۔“

”مکمل ہے میں ان کے بھلے کا سوچ رہی ہوں اور
آپ منع کر رہی ہیں۔“ وہ بھر کاٹھی
”اس میں اس یتیم بچی کا کہا جلا ہے سکتا ہے کلثوم!
تم خود بتائی رہی ہو اسے جیشہ کی فطرت و عادات کے
پارے میں۔ ایک بیوی کو تو لب لگا چکا ہے، اب دوسرا
کو گھیرنے کے چکر میں ہے اگر اتنے ارہن جاؤ
رہے ہیں تو دوسرے بیاہ کے تو کسی درمیانی عمر کی بیوہ یا
طلاق یافتہ ڈھونڈ لے۔“

”اب درمیانی عمر کی بیاریوں کی ہاری عورت لائے
رکھنے کا کیا فائدہ؟“ وہ اصل بلت اگل رہی تھی۔
”انہیں ایسی حلق و پومند مختی لڑکی کی ضرورت ہے جو
ان کا ہاتھ بٹا سکے۔ بھائی کی کمی پوری کر سکے۔“

”یوں کہو کہ مازمہ نکل جیں لے کر جلنے لے۔“ وہ
دکھ سے چور ہو گئیں۔ ”اور تمہیں شرم نہیں آتی اس
کے اس گھناؤ نے منصوبے میں مدد دیتے ہوئے۔ اس
معصوم بچی کے مستقبل پر ترس نہیں آتی۔ کیوں کسی
یتیم کی۔“

”کیا میں یتیم نہیں تھی؟“ وہ بات کلٹ کے چلائی۔
”کیا مجھ پر کسی نے ترس کھایا؟ میں بھی تو مازمہ بن
کر رہ رہی ہوں۔“

”اس کا کھوکھلا دعوا، جس پر وہ خطوں میں تو اعتماد
کر لیا کرتی تھیں، اب حقیقت جانتے ہوئے بھی منہ پہ

جھلنا نہ سکیں ورنہ اس کے، ٹھاٹھ باث اور ظاہری حیثیت اس بات کی نفی کر رہے تھے۔ کوئی عورت اگر اس حد تک خود مختار اور خود اعتماد کے کہ دو تین سالوں میں دس لاکھ کے پلاٹ کی قیمت ادا کر دے اور وہ بھی شوہر سے چوری تھی محفوظ اپنے بل بوتے پر اور جو پچھلے پانچ روز میں کم از کم اٹھارہ میں سال کا فرق ہو گا۔ اس میں کیسے آیا۔

معصوم اڑکی کو کس عذاب میں دھکیل رہی ہے، پڑھا لکھا بھی ہے، مذب بھی اور خوش شکل بھی، میں بھی تمہارے جوڑ کا ہے جبکہ رفت اور تھا، جیسے میں کم از کم اٹھارہ میں سال کا فرق ہو گا۔ اس اجد ہنوار، جامل شخص ہے۔ یہ خیال بھی تمہارے، میں کیسے آیا۔

”اس لیے کہ ہر انسان کی طرح مجھے بھی اب بارے میں اچھا سوچنے کا حق ہے۔ یہ جونشن میں ایسے اور سالوں سے پائی پائی جوڑ رہی ہوں، اس پاہ مقبرہ بنانے کے لیے ہیں۔ اس تندور سے دور یہاں اپنے ملک میں اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ ایک، مختار اور خوشحال زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ علی۔“ شک لاکھ اتنے ہوں، میرا خیال رکھتے ہوں، مجھے چاہتا ہوں مگر وہاں بھائی کے آگے دم بارنے کی مجال نہیں۔ ایک ہی طریقہ ہے اس عفریت سے جان چھڑانے کا، ان کو کوئی کھلونا دے کر بہادریا جائے۔ ایسے تو وہ ہمیں نکلنے نہ دیں گے۔ میرا بستر اور تبادل مستقبل مل جائے گا تو شاید بلکہ یقیناً ہمارے وہاں سے نکلنے پر اعتراض نہ کریں گے۔

”تم علی کامقابلہ اس رشتے سے تو نہ کوکشوم! میں نے تاسف سے سرہلایا۔“ ”ہونہ، آج کل کون خود غرض نہیں ہے۔“ وہ چبا چبا کے بولی اور پیر پیٹنی ان کے کرے سے نکل گئی۔ اندر آتے راحیل سے اس کا نکراو ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اس کے پر تاک سلام کا جواب بھی اس نے منہ ہی منہ میں بڑھاتے ہوئے دیا اور وہڑ سے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔

”خیریت؟ انہیں کیا ہوا؟“ وہ تعجب سے پوچھ رہا تھا۔

”زم خواہ بھلی مانس لگی۔“ تمہارے جیسے سے زیادہ (سماں نہیں ہوا، اس لیے بھائی پر ہر سکی بائی جو دن تھا) بے انس کے باہمیں سر جھنک کر ہلانا چاہا۔“ اس دونوں باتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ میں بست کی (باتوں سے انجان رکھنے کے خبر نہیں ہو، میں نے) چلتکونہ کن چکا ہوتا تو شاید اپنی فطرت کے خلاف دعوہ کا کھایا، اور تم دھوکا دینے کی کوشش کر رہی ہو، وہ دونوں باتوں میں بست فرق ہے، میں نے جانتے ہو جسے ایکس (اتنے بخت کا اظہار کرتا۔ لیکن چونکہ اب اس پر کھل

”پاٹاکہ وہ بھی یہاں کی ستر فیصد خواتین سے الگ مران نہیں رکھتی،“ اس لیے ہنک رہا تھا کہ ضرور اس نے کسی نہ کسی بات پر اپنی آپاکی دل آزاری کی ہے۔

”ارے کہاٹا کچھ نہیں۔ سمجھ بوجھ کچھ ہے نہیں اور پرائی بچیوں کے رشتے نہیں طے کرنے کا شوق آن یا ہے۔ وہی سمجھا رہی تھی میں کہ یہ تازک مسئلے اپنے بھی یہی کو سکھ سے رکھ سکتا ہوں اور ابو جی کی پانڈو پر بھی یہی کو سکھ سے رکھ سکتا ہوں اور ابو جی کی نہیں وغیرہ کی آمنی تو ہے ہی۔ تو پھر کیا خیال ہے؟“

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“ سب سمجھ کے بھی وہ حیرت زدہ کی پوچھ رہی تھیں۔ ہر یات واضح تھی مگر بے حد غیر متوافق۔

”کمال سے خالہ جان! میں رفت سے شادی کی خواہش کا اظہار کر رہا ہوں۔“

”بری بات ہے بٹا، ایسے کسی بھی کاہم لے کر۔“ وہ ناراض ناراض کی نظر آنے لگیں۔ راحیل جیان ہو گیا۔

”میں نے ایسا بھی کیا کہہ دیا خالہ جان! وہ مجھے ہر لحاظ سے ایک اچھی لڑکی لگی۔“ محفوظ دوستی یادیں لگی کے لیے نہیں بلکہ عزت سے گھر میں بانے کے لیے۔ اسی لیے میں نے براہ راست شریفانہ طریقے سے آپ سے ذکر کیا اس میں بھلا کیا برائی ہے؟“

”برائی ہے مگر تم نہیں بھجو گے۔“ تم یہاں اس نیت سے نہیں آئے تھے کہ اپنے لیے لڑکیاں پسند کرتے بھجو۔ تمہارے گھروالے سارا الزام مجھ پر والیں گے۔“

گھروالوں سے مراد رضوانہ تھی جوانیا کے لیے راحیل کا نہ صرف خواب دیکھے بیٹھی تھی اور ایسے میں اگر وہ یہاں، اس گھر میں رہتے ہوئے رضوانہ کی بڑی بہن کی موجودگی میں بجائے اس کی بھائی کے، کسی اور لڑکی سے شادی کے ارادے باندھ رہا ہے تو بات خطرے والی ہی تھی۔ رضوانہ اس کا سارا الزام ان پر نظر میں؟“

ہے ذات پات کا روپا ر وغیرہ؟“

”لو،“ اس بھلی ماں نے کیوں شرطیں پیش کرنی ہیں۔ شرطیں رکھنے کی بیماری لڑکوں کی ماوں کو ہوتی ہے۔ بس اتنا ہے کہ گھرانہ شریف ہو، زیادہ امیر پیر نہ سی۔ مگر خوشحال ہوں، پچی سکھ چین سے زندگی گزارے۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ کوئی رشتہ ہے کیا نظر میں؟“

لگیں۔

”ایسا ملت سوجو، راحیل ہو سکتا ہے تمہارے بڑوں
نے تمہارے متعلق کچھ اور سوچ رکھا ہو۔“

میں نے بتا تو دیا ہے کہ میرے ابو جی کو ان کی بھال حثیت پر
سے کوئی دلچسپی نہیں۔ نہ ہی وہ میرے لیے کوئی
جاگیر داری کو لانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ہاں اتنا ضرور
چاہتے تھے کہ میں خاندان کی کسی لڑکی کو منتخب کروں
میری پسند سے آگاہ ہونے کے بعد وہ صرف انتابو۔
کہ چلو اچھا ہے خاندان میں انتخاب کرنے کی دشواری
سے جان چھوٹی، ورنہ یہی ڈر رہتا کہ جس کی بھی لوں کا
دوست ہیں پچھلی بارویک اینڈ پر جب میں سرگودھا گیا
تھا تو انہوں نے میری شادی کا خواہش کا اظہار کیا تھا
تب موقع غیمت جان کے میں نے ان سے ذکر کر دیا تھا
کہ لاہور میں ایک لڑکی مجھے پسند ہے، اگر آپ
مناسب بھیں تو۔ وہ یہاں آگر دیکھنے پر رضامند
ہو گئے تھے اس کے اگلے ہی ہفتے انکل کی دعویٰ ہو گئی تو
میں نے یہ سلسلہ فی الحال ملتوی کر دیا۔ ویسے بھی ابو جی
نے کہا تھا کہ اس کا ذکر اپنی دادی امی یا پچھا جان سے
کروں تو زیادہ بستری، عورتیں ایسے معاملات زیادہ
خوبی سے آگے بڑھاتی ہیں۔ ان کی نسبت آپ سے
میری زیادہ بے تکلفی ہے جس کی وجہ میں خود بھی
نہیں جانتا کہ کیسے ان چھ ماہ میں آپ کے اتنے قریب
اگلی۔ اب آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ ہی کچھ
کریں۔“

”یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ آپ ان سے بات بھی
کر لیجئے گا اور رفعت سے ملوا بھی رہ لیجے گا۔“

”ہرگز نہیں۔“ وہ ترپکے بولیں۔

”میرا مطلب ہے کم از کم ابھی نہیں۔ ابھی کلثوم
بھی یہاں ہے۔ وہ یہاں اور مقصد سے آرہی ہے،
صرف دو چار روز کے لیے۔ ہو سکتا ہے ابھی اچانک
کہ اپنا پن کا یہ مل دینے والے کامان انہیں خود توڑنا
پڑ رہا تھا۔

”میں ایسا نہیں کر سکتی بیٹے! ابھی میں نہیں بات تو
کلثوم کو سمجھا رہی تھی کہ رشتے اور شادی بیاہ جیسے
معاملات انتہائی نازک ہوتے ہیں۔ کسی بھی ناخوشگوار

بات کے نتیجے میں کرانے والے کو بھلتنا پڑتا ہے
تمہارے اور اعظم بھائی کے خاندان میں بہت فرق
(زندگی اور اجتماعی) اور جنچ نہیں (تمہارے خاندان اور ایسی) انہوں نے دبے الفاظ میں جتنا چاہا۔ پتا نہیں وہ سمجھایا
بات پر ہرگز تیار نہ ہوں گے پھر بلاوجہ میں کیوں نتیجہ میں

”ٹھیک ہے۔ جیسے آپ مناسب بھیں۔ لیکن
(زندگی اور اجتماعی) وعدہ تکمیل کے معاملے کو ”پریا
”یعنی آپ میری شادی کے معاملے کو“ پریا
”وہ وعدہ کرنا نہ چاہتی تھیں مگر انہیں میں سرہا

لیں۔



اکا سارا دن اسی اڈیشن میں گزر ایک پڑ مردگی سی
کے وجود پر چھائی رہی۔ کلثوم نے بھی اپنی ناراضی کا
ملتم کھلا اظہار کیا۔ پہلے تو آدھا دن کمرے میں بند
 Lazar۔ پھر تباہی جب رفعت حسب معمول وہ پس
الہما پاکنے بیچے اتری۔

”رہنے دو۔ میرے بچے تک آگئے یہ کھانے کھا کھا
لے۔ میرے لیے پکانے کی زحمت نہ کروہاں اپنی آپا
ہل کی سیوا میں حاضر ہونا چاہو تو شوق سے حاو۔ میں
ہل کے لیے کے ایف سی سے برگر منکوارہی
اہ۔“

”وہ اس پتھرے لجے پر جیران پریشان تھی کہ
امرت آرائے بہانہ بنائے اسے واپس بیچ دیا۔ جانتی
تھیں کہ اب کلثوم اپنی رائے روکیے جانے پر ایسا ہی رد
کل پیش کرے گی۔

رضوانہ نے بھی تو ان پر اعتماد کرتے ہوئے راحیل
کو یہاں بھیجا تھا۔ اگر وہ رفعت کا نام لیتا ہے، تو لامحہ
آپ ہی سمجھا جائے گا کہ انہوں نے رفعت کو اینیا پر
وقت دیتے ہوئے خود آگے آگے کیا۔ چاہتیں تو اس
تفہم سے نہولت سے نہنہ کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ
رفعت کی شادی کلثوم کے جیٹھے سے کرادی جاتی۔
کلکلیہ بھالی کو مطمئن کرنے کے لیے نفرت آرائی دو
تریقیں ہی کافی ہوتیں۔ بھلے رفعت کی زندگی خراب
ہوئی، کم از کم وہ اس عذاب سے تو نکلتیں۔ کلثوم بھی
ان سے راضی ہو جاتی اور رضوانہ سے جھٹکے کا
اندیشہ بھی نہ رہتا۔ لیکن بات پھر وہی آجاتی ہے کہ وہ
ایسا کرتیں تو کس مل سے کرتیں۔

کیا اس دل سے جو سدا سے بھتیں باشندے کا عادی رہا
ہے۔ اور جس دل نے کسی کو دھوکا رہا سیکھا ہی نہیں۔
اور جو دل ہر محبت کرنے والے دل کی طرح خوف
لہ رہتا ہے۔



وہ خوف زدہ تھیں۔

یہ بات راحیل بھی بھانپ گیا۔
مگر اس بات سے خوف زدہ تھیں یہی جانے سے وہ
قادر تھا۔ اس کی بات سنتے ہی این کے چڑے پر جو
تذبذب اور سراسیگی پھیل گئی تھی۔ وہ صاف ظاہر
تھی لیکن وہ اس کی وجہ جانے میں ناکام رہا تھا۔

ساری رات اور سارا دن وہ یہی سوچتا رہا کہ آخر
حالہ جان، جو رفعت سے بالکل ماں والی محبت کرتی
ہیں، اس کے لیے میرے رشتے پر خوش کیوں نہیں
ہوتے ہیں۔

وہ کیا وجہ ہے جو انہیں بچکھا ہٹ میں بٹلا کر رہی
ہے؟

اگر ان چھ ماہ میں نصرت آرائی پر خلوص، بے ریا اور
محبت بھری قدرت پر دیرپت اس کے سامنے ظاہر
نہ ہوتی تو وہ یہی تیجہ اخذ کرتا ہے عام اور سطحی عورتوں کی
طرح ان سے کسی کا بھلاندیکھا نہیں جاسکتا۔ مگر ان کے
بارے میں تو وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہی بات
اسے الجھا رہی تھی۔

”شاید وہ اس بات سے خوف زدہ ہوں کہ میری فیملی
کی جانب سے ناپسندیدگی اور مخالفت کی صورت میں
ان کے تعلقات شکلیہ آئی اور رضوانہ چھی دنوں سے
خراب ہو جائیں گے۔ یقیناً یہی وجہ ہو گی۔“ وہ اس
نتیجے پر پہنچ گیا۔

”آن کا دنیا میں اور ہے ہی کون۔ یہ دو ہنیں جو بڑا
احسان جتا کر بھی کبھار خیریت دیریافت کر لیا کرتی ہیں یا
یہ آس پڑوں والے جنہیں خالہ جان نے اپنی عادات
سے گرویدہ کر رکھا ہے کس قدر ایکی ہیں وہ۔ گھریار اور
بال پتھرے دار عورت کس قدر خود اعتماد ہوتی ہے اپنے
شوہر اور سرال والوں سے اس کے تعلقات کے ہی
کیوں نہ ہوں، اپنے گھر کامان ہی اس کا سرا و پھار کرنے کو
کافی ہوتا ہے۔ اسے اور وہی کی توجہ اور محبت حاصل
کرنے کے لیے یوں جھک کے نہیں رہتا۔ کہنے کو
وہ بڑی ہیں مگر چھوٹی بہنوں کی ناراضی اور لائقی سے
اتھی خوف زدہ رہتی ہیں کہ ہر جائز تاجائز بات سہہ جاتی

مگر اس ساتھ سے کسی اور کی زندگی میں مشکلات ضرور پیدا ہو سکتی تھیں۔
اور وہ ذات اس کے لیے اتنے کم عرصے میں اتنی نعمت ہو چکی تھی کہ اب وہ اسے مشکلات میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

* * *

نصرت آپ نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ رضوانہ کی یہ نماد فشمی دوڑ کر سکیں۔ پتہ نہیں وہ مطمئن ہوتی یا نہیں مکروہ بارہ یہ ذکر نہ چھیڑا بلکہ اس کی نوبت ہی نہ آئی۔ وہ ماچھ روڑ کے لیے آئی تھی مگر تیرے دن، ہی واپس چلی گئی۔ اکیلی نہیں بلکہ کلثوم بھی بچوں کے ساتھ اس کے ساتھ ہی چلی گئی۔ دونوں نے جھوٹے منہ بھی انہیں ساتھ حلنے کا نہ کہا۔

اتنے دنوں کی ہلکی، ہماہمی اور رونق کے بعد آج کھر میں، ہی سنائا تھا جو سالوں سے درود پوار کا سابھی تھا لیکن چند دنوں کی رفاقت کے بعد وہ قہقہے، آوازیں، شور، ہنگامہ، رخصت کیا ہوئے، ایسے لگ رہا تھا جیسے آج وہ پہلی بار اکیلی ہوئی ہوں۔ بار بار ان کا دل بھر آ رہا تھا مگر وہ آنسو روئنے کی برابر کوشش کیے جا رہی تھیں۔
”کیا ہوا آپا! اداں ہو رہی ہیں۔“ پتہ ہی نہ چلا کب شکلیہ بھا بھی نیچے اتریں اور کب ان کے پاس آئیں۔

”اوہ بھا بھی! کب آئیں۔“

”ابے لو، کن خیالوں میں گم ہیں آپا! بھی آپ کے سامنے ہی تو راحیل نے پکار کے بلا یا تھا۔ میرے جیٹھے کافون تھا کینڈا سے، ہی سن کر آپ کے پاس آ رہی ہوں۔“

”برڈی جلدی دوبارہ یاد آگئی تمہارے جیٹھے کو مر جو مو بھائی کی اولاد کی۔ وہ تو سالوں میں یاد کرنے کے عادی تھے۔ اب میں بعد ہی دوسرا فون، حیرت ہے۔ خون سفید ہو گیا ہے۔“

”آپا! میں بھی یہی سمجھتی تھی۔ اب خیال آتا ہے نمیک ہے وہ بھائی کے مر نے پہنچ آئے۔ آپ کے کریب

انیلا کے لیے ہموار ہے اور رہنے بھائی صاحب تو الم، نے راحیل کو مکمل طور پر میری ہی ذمہ داری قرار دا ہے۔ خدا نخواستہ اگر انکار ہوا راحیل کی جانب نہ۔ اگر میری کسی نند کی لڑکی آئی تو ان سے تو میں نہٹا، اگی اور اگر کہیں اس رفت کا نام بچ میں آیا تو آپا! میر آپ کو معاف نہیں کروں گی۔“

وہ روئے دھونے لگ گئی۔

اسی لمحے راحیل دروازے سے پٹا جو ساری ہزاہ، ایک سکتے کے عالم میں سن رہا تھا۔ ابھی ابھی ہامہڑ، سے آتے ہی وہ سیدھا پچھی جان کو یہ بتانے آ رہا تھا۔ اس کے قریبی دوست کی والدہ ان سے ملنے آتا چاہتی ہیں کہ دروازے ہے، ہی ان کی چھوٹی بہن کی تند دیگ آوازن کے رک گیا۔ وہ ان کے الزامات کی تفصیل سن کر جیران تھا کہ انہوں نے رائی کا پھاڑ کس سرعت سے تغیر کیا اور ساتھ ہی ساتھ اس پچھی جان کی اس دیرینہ خواہش کا بھی انکشاف ہوا کہ وہ اسے انیلا کے حوالے سے اتنی اہمیت اور توجہ دیتی آئی ہیں۔
وہ تھکے قدموں سے اپنے کمرے کی جانب لوٹ آیا۔

انیلا میں بظاہر کوئی برائی نہ تھی بلکہ ایک لحاظتے، اسے پسند بھی کرتا تھا لیکن اس پسندیدگی کے معنی ہرگز وہ نہ تھے جو پسندیدگی وہ رفت کے لیے محسوس کرنا۔
لگا تھا۔

انیلا اس کے خاندان کی دیگر لڑکیوں سے ہر لحاظت مختلف تھی اور ممتاز بھی۔ اسے تعلیم سے لگاؤ تھا جس کی حوصلہ افزائی وہ، ہی اکشو پیشتر کرتا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی وہ اپنے اطوار کی مالک لڑکی تھی۔ اگر وہ پہنی جان کی اس خواہش سے پہلے، ہی آگاہ ہوتا تو یقیناً اب تک فطری طور پر انیلا کے لیے اس کے پسندیدگی کے چند بات کوئی اور رنگ اختیار کر چکے ہوتے کہ وہ مالنی خصوصیات کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر بھی دلنش مشخصیت کی مالک تھی، لیکن اب وہ اس دل کا کیا کرتا؟
نا محسوس طریقے سے رفت جیسی بظاہر عام سی لڑکی کا اسیز ہو چکا تھا۔ جس کو پانانا ممکن نہ تھا، مشکل بھی نہ تھا

سب کے سامنے اس پہ اپنا حق جتنا نہیں تھی اور تو اور میں اب اس کی ساس بھی ہم نواہ ہو چکی تھیں۔

”نہ میرا رفت سے کوئی لینا دینا نہ، ہی راحیل سے کوئی مطلب ہے پھر میں بغیر کسی وجہ کے جھوٹ کیوں بولوں گی۔ مجھ سے زیادہ دنیا آپ نے دیکھ رکھی ہے۔ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ آپ ان دونوں کے تعلقات کی نوعیت بھانپ نہ سکی ہوں۔ ایسی ”صغریٰ“ آج کل ناولوں میں بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتی جو منہ بولی آپوں کے ہاں بن دام کی ملازمہ بن کے دن رات کام کرے۔ یہ راحیل کی کشش ہے جو اسے نیچے بٹھانے رکھتی ہے۔ میری مہمان داری تو صرف بھانہ ہے اور آپ سب جانتے تو جھٹے چپ سادھے بیٹھی ہیں۔“

”کیا یہ ٹھیک کہہ رہی یے آپا!“ رضوانہ صدمے سے ملے حال ہو گئی۔ اس کی نظرؤں میں شکوک کے سائے دیکھ کے نصرت آپا بھی ہمت ہار گئیں۔ مزید صفائی دینے کا نہ ارادہ تھا نہ حوصلہ۔

”یہ کیا کہیں گی آپا! اس بھانے ان کے گھر کے سارے کام جو مفت ہو جاتے ہیں۔“

”بس کرو کلثوم! بس کرو، خدا کا واسطہ ہے۔“ بالآخر وہ ہاتھ جوڑ بیٹھیں۔

”اور رضوانہ! ایسی کوئی بات نہیں۔ رفت اسے مجھ سے اور اس گھر سے مانوس ہے جب راحیل یہاں نہیں رہا کرتا تھا۔ وہ تمیزدار، حیادار اور بارپرہ بچی ہے۔ اب بھی وہنے کے وقت ہی نیچے آیا کرتی ہے جب راحیل گھر پہ نہیں ہوتا۔ ان دونوں کا تو سامنا ہی شاز و نادر ہوتا ہے۔“

صرف اپنی ذات پر الزام کی بات ہوتی تو وہ خاموش رہنے کو ہی بہتر جانتیں مگر معاملہ ایک شریف لڑکی کی عزت کا تھا، اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی صفائی پیش کر رہی تھیں۔

لزیز راز دیجہ تو اب پیتا چلے اچھا جب بیٹیں اپنیں سماں حباب کے ذریعے اماں اور بھائی صاحبی پر انیلا کے کے دباؤ دالوں راز گزرا ہیں۔ اگر تو پس دیکھنے کے لئے کام ٹیکا گیا تو صاف ظاہر ہو گا لزیز رکھی لڑکا راضی نہیں کیونکہ وادی کی راستے تو پہلے ہی

اور اس نے انہیں نواز دیا۔ ان کا آنکن محبت اور اس ہم سفر کی ہمراہی میں بے حد شاد و مطمئن تھا۔

”آمین۔“ انہوں نے دعا مختصر کرتے ہوئے چھڑا کے ان کے پہاٹھ پھیرا اور دونوں پچوں کو ساتھ لپٹا کے ان مقصوم چڑوں پہ پھونک مارنے لگیں۔ انیلا اپس پیٹ میں گئی۔ راحیل آنے ہی والا تھا اور وہ اس وقت پکن ٹیکھی مصروف تھی۔ عصر کا وقت تھا۔ سردوں کا اختتام اور بھار کا آغاز تھا۔

بڑی خوشنگوار اور روشن سی شام اتری تھی اس آنکن میں۔ نصرت آپ نے برآمدے میں بھے اپنے نما والے تخت پہ بیٹھے بیٹھے طہانیت سے اپنے گھر کا جائز لیا۔ درودیوار جیسے زندگی کی حرارت سے دمک رہے تھے۔

پھولوں سے مہکتے آنکن میں پھول جیسے دو پھول نے اپنے وجود کی الگ سی خوشبو پھیلار کھی تھی۔ دیا اور زید جڑوں تھے۔ سوادو سال کے ہو رہے تھے۔ انہیں سیکھا تو راحیل نے نصرت آپا کا تعارف ان سے دیا۔ کہ کے اور انیلا نے نانو کہہ کے کرایا تھا۔ یہی وجہ تھی۔

ایک کی زبان پہ نانو چڑھ گیا اور دوسرے کی دادو۔

راحیل کی شرط یہ تھی کہ وہ انیلا سے شان کر کے گامگرا سے رخصت ہو کے اس کی خالہ جان کے پیاس آتا پڑے گا جواب راحیل کی بھی خالہ جان بن لی ہمیں۔ وہ ان کی ذات سے ماں کی محرومی کا ازالہ کیا کرتا تھا۔ رضوانہ کو کیا اعتراض ہوتا، اپنی آپا کی طبیعت سے آگاہ تھی۔ وہ تو الثامن زید مطمئن ہو گئی کہ انیا اشہدی کے بعد بھی ماں نہ سسی، ماں جیسی خالہ کے ذمہ لیا رہے گی۔

راحیل اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش سے دستبردار ہوا اور اس سے زندگی کی سب سے بڑی بخشی نصیب ہوئی۔

نصرت آپا بیٹھے کی ماں بن سکیں نہ بیٹھی کی مکانت

پھر بھی ان کے قدموں تک آگئی۔ اب وہ نانو بھی ہمیں اور دادو بھی۔

اب کلثوم اور رضوانہ دونوں سے ان کے تعلقات بدلے کی لرج خوشنگوار تھے۔ کلثوم پچھلے ہی سال اپنی قیمتی کے ساتھ پاکستان شفت ہوئی۔ مہینے میں ایک آدھ بار پھول سمیت ملنے آتی ہے تو اس گھر میں میکے کا بھرپور نیپاکے نئے سرے سے کھل جاتی ہے۔ پردیں بن گزارے وس سالوں کی تہائی اور سختی کا مد ادا ہونے لتا ہے۔ ماں جیسی مشقتوں میں کے ساتھ ماضی میں یہ سلوک پہ نہ امت ہونے لگتی ہے۔

اور رضوانہ وہ توبہ ہی راضی ہو گئی تھی، جب اس سے کچھ کہنے پا کرنے سے قبل راحیل کے والد نے خوانیلا کے لیے دست سوال دراز کیا تھا۔ البتہ راحیل کی عائد کروہ شرط پہ وہ ضرور کھٹک گئی تھی۔

* * *

”وَالْفَسَدُ“

”وَالْفَسَدُ“

انہوں نے سلام پھیر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ دیا اور زید ان کے دامیں با میں لپٹ گئے اور انی تو نی زیان میں انہیں پکار پکار کے متوجہ کرنے لگے۔ دعا ملتے ہوئے سفید چادر کے ہالے میں لپٹے ان سے نورانی اور پر سکون پا گیزہ چڑے پہ ایک آسوہ سی مسکرہٹ پھیلی۔

”دکتنی بار کہا ہے جب کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو اسے آواز نہیں دستے۔“

انہیں آہستگی سے نصرت آپا سے الگ کرتی یہ انیلا تھی ان کی اپنی انیلا رضوانہ کی بیٹی، راحیل کی بیوی، ان کی بھا بھی جو عادات و فطرت میں ہو ہوا پنی بڑی خالہ کا پرو ہتھی۔ وہی زرم خو اتنی ہی بامروت اور ثوٹ کے چانے والی۔ اس کی ان ساری خصوصیات کا اندازہ لازم نہ تھا۔ راحیل کو بھی شادی اسکے بعد ہوا، اور وہ جو صرف نصرت آپا کی خاطر ایسا رکھتے ہوئے رفتہ کی محبت لازم نہ تھا۔ اب عظیمہ خداوندی کی طرح ملے دستبردار ہوا تھا، اب عظیمہ خداوندی کی طرح ملے